Postal Regd. No. LW/NP/63/2012TO2014
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Despatch Date, 10-12 / 25-27

تعمیرِ حیات لکھنؤ

خصوصی شمارہ

نصف صدی مسلسل اشاعت کی

تعمیرِ حیات کا مقصد

''تعمیر حیات'' کے اجراء کا بڑا مقصد یہ ہے کہ یہ بات کسی نہ کسی درجہ میں حاصل ہو سکے اور مسلمانوں کو یاد دلایا جاتا رہے کہ ندوۃ العلماء کس لیے وجود میں آیا، کن مخلصین اہل نظر نے اس کی بنیاد ڈالی، وہ کس بات کا داعی ہے، اس نے اس بدلے ہوئے زمانہ میں کیا تعلیمی نظام اختیار کیا ہے، اور اس کے کیا اسباب ہیں، اس نے کس طرح مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی دعوت دی ہے، اور اس کا اس میدان میں کیا کردار ہے، اس نے علوم نبوت کی کس طرح ترجمانی واشاعت کی ہے، اور قرآن وحدیث، فقہ اسلامی، سیرت نبویؐ اور دوسرے اسلامی علوم کی کیا خدمت کی ہے، اس نے عقل وقلب، روح کے تقاضوں اور جائز بشری مطالبات، ایمانی کیفیات اور جدید معلومات کو کس طرح باہم جمع کیا ہے، اور ان کے موہوم تضاد کو رفع کیا ہے، وہ جدید تمدنی مسائل میں مسلمانوں کی کس طرح رہنمائی کرنا چاہتا ہے، اور مغرب کے چیلنج کا اس کے پاس کیا جواب ہے۔

دعا ہے کہ ''تعمیر حیات'' اس اہم مقصد کی تکمیل کا مفید ذریعہ بن سکے، اور اس سے دین کی خدمت، اسلام کی حفاظت واشاعت اور دینی تعلیمی مسائل میں مسلمانوں کی اہم ضروریات کی تکمیل کا کام لیا جا سکے۔

مولانا سید محمد الحسنی مرحوم

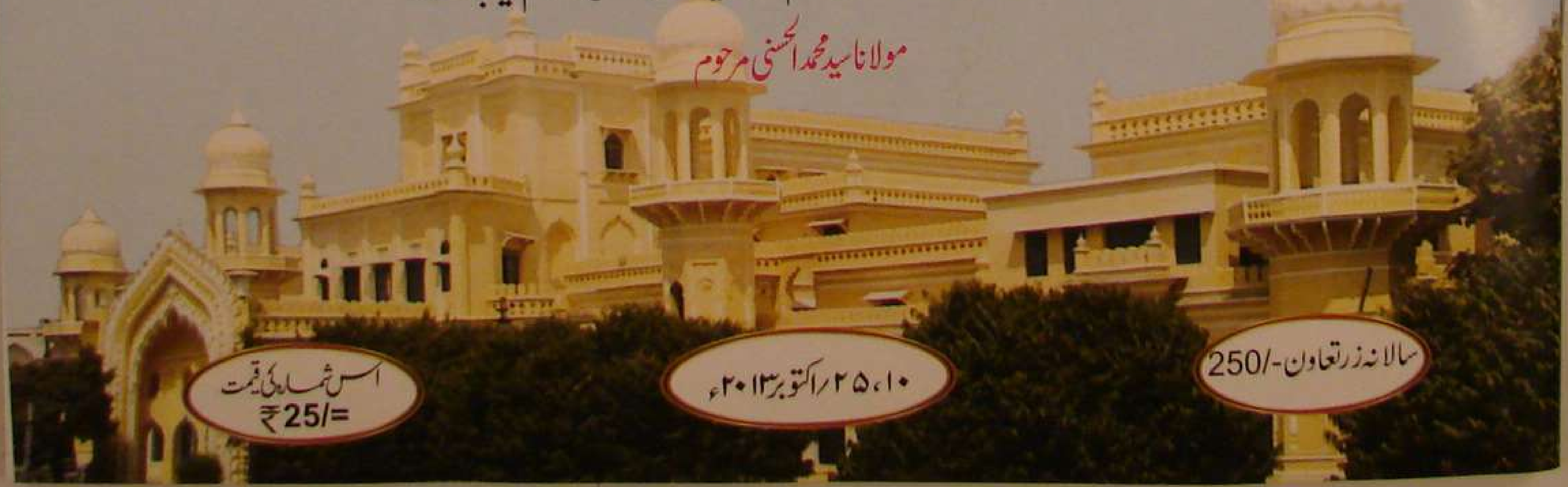

سالانہ زرتعاون -/250

۱۰، ۲۵/ اکتوبر ۲۰۱۳ء

اس شمارے کی قیمت ₹25/=

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ
تعمیرِ حیات
لکھنؤ

جلد نمبر ۵۰ | ۱۰، ۲۵ر اکتوبر ۲۰۱۳ء مطابق ۴، ۱۹ر ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ | شمارہ نمبر ۲۲، ۲۳

طلوعِ اسلام

دلیلِ صبحِ روشن ہے ستاروں کی تنک تابی
افق سے آفتاب ابھرا، گیا دورِ گراں خوابی!
عروقِ مردۂ مشرق میں خونِ زندگی دوڑا
سمجھ سکتے نہیں اس راز کو سینا و فارابی!
مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی
اثر کچھ خواب کا غنچوں میں باقی ہے تو اے بلبل
"نوا را تلخ ترمی زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی"
تڑپ صحنِ چمن میں، آشیاں میں، شاخساروں میں
جدا پارے سے ہو سکتی نہیں تقدیرِ سیمابی
وہ چشمِ پاک بیں کیوں زینتِ برگستواں دیکھے
نظر آتی ہے جس کو مردِ غازی کی جگر تابی!

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیرِ نگرانی
مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظرِ عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیرِ مسئول
شمس الحق ندوی

نائب مدیر
محمود حسن حسنی ندوی

مجلسِ مشاورت
- مولانا خالد ندوی غازی پوری
- نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

ترسیلِ زر اور خط و کتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406
مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زرِ تعاون -/250	فی شمارہ -/12	ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے -/50$ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر -/30 روپئے جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کے خریداری نمبر کے نیچے اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرِ تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا جلدی زرِ تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ اگر موبائل یا فون نمبر ہو تو اپنے شہر کے کوڈ نمبر کے ساتھ لکھئے۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

اعلیٰ ترین معیاری کوالٹی اور قابلِ اعتماد دوائیں

کارڈیو کیور
امراضِ قلب کے لئے نایاب تحفہ
- ... کم کرنے میں معاون ہے۔
- ... والی بیچیدگیوں میں مفید ہے۔
- ... میں معاون ہے۔

ڈرما کیور
خون صاف کرنے اور جلدی امراض کی بہترین دوا
- خون کی گرمی اور خشکی کو کم کرتی ہے۔
- چہرے کو نکھار کر اس میں رونق اور جاذبیت پیدا کرتی ہے۔
- جسم کو تازگی دے کر ہلکا پھلکا اور چست رکھتی ہے۔
- کیل مہاسے، چھوٹے پھنسی، گرمی، لال اور سفید دانے، چہرے کی جھائیاں، اور ردجے جیسی بیماریوں میں فوراً راحت پہنچاتی ہے۔

کف کیور
نزلہ زکام اور کھانسی کے لئے
- خشک، بلغمی کھانسی کے لئے معیاری دوا
- پھیپھڑوں میں بلغم جمع ہونے
- کالی کھانسی
- سردی، نزلہ، زکام اور دمہ وغیرہ میں مفید ہے۔
- گلے کی خراش، گلے کا درد، آواز بیٹھ جانا، ناک اور سانس کی نالی کے ورم کو دور کرتا ہے۔

انزی کیور
ڈائجیسٹیو انزائم
- پیٹ میں بھاری پن
- بھوک نہ لگنا
- قبض، گیس بننا
- ضعفِ اشتہا
- کھٹی ڈکار آنا
- ذہنی یکسوئی کا مفقود ہونا
- اپھارہ، جلن
- جسمانی کمزوری میں
- کھانے کے بعد متلی، قئے
بیحد مفید ہے۔

ماسٹر مائنڈ
- قوتِ حافظہ بڑھاتا اور ذہن و دماغ میں یکسوئی لاتا ہے۔
- سوچنے و سمجھنے کی صلاحیت میں اضافہ کرتا ہے۔
- آنکھوں کی بینائی کو تیز کرتا ہے۔
- ... ٹینشن، سردرد، بے خوابی، طبیعت میں گراوٹ، ... میں پریشانی جیسی بیماریوں میں مفید ہے۔
- ... کے بستر پر پیشاب کرنے کی شکایت کو دور کرتا ہے۔

Director & Charmaine: Hkm/Dr Molana Mohd. Qamaruzzaman Nadvi

CURE HERBAL REMEDIES
کیور ہربل ریمیڈیز

An ISO 9001 : 2008 & GMP Certified Co.
CURE HERBAL REMEDIES
Mirzapur Pole 24712, Saharanpur (U.P.) India
Phone: +91-132-2774444, 9927658021

کیور ہربل ریمیڈیز
مرزاپور پول ۲۴۷۱۲۱ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا
Email: cureherbal10@gmail.com

اس شمارے میں

شعر و ادب		
طلوعِ اسلام	علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	۲
اداریہ		
مسلسل اشاعت کے پچاس سال مکمل	شمس الحق ندوی	۳
فکر و عمل		
معرکۂ ایمان و مادیت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۵
روشن مینار		
اکرام مسلم اور احترام انسانیت	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۸
اسوۂ نبویؐ		
اسلام۔ مظلوم انسانیت کی پناہ گاہ	مولانا عبداللہ عباس ندویؒ	۱۰
بصیرت افروز		
موجودہ المیہ اور اس کے حقیقی اسباب	مولانا سید محمد الحسنیؒ	۱۳
عملی اسوہ		
داخلی دشمن، خارجی دشمن سے زیادہ خطرناک	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی	۱۷
فکر معاصر		
عالم اسلام کی موجودہ صورت حال	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۲۰
حساب عمل		
ہم اپنا خود جائزہ لیں!	مولانا مفتی محمد ظہور ندوی	۲۳
عبرت انگیز		
حاجت مندوں کی خبر گیری	مولانا ابوالعرفان خاں ندویؒ	۲۴
دین و دنیا		
دائمی اور فانی لذتیں!	مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندویؒ	۲۵
فکر فردا		
عقیدۂ آخرت اور دنیا کی گمراہی	مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ	۲۷
ایمان و مادیت		
نازک دور اور وقت کی پکار	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	۲۸
راہ عمل		
دعوت دین اور تبلیغ حق	مولانا اسحاق جلیس ندویؒ	۲۹
نشان منزل		
طوفان سے ساحل تک	مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری	۳۲
ابر رحمت		
رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم	مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری	۳۴
تابندہ نقوش		
زندہ رکھتی ہے زمانہ کو حرارت تیری	مولانا محمود الازہار ندویؒ	۳۵
صبح سعادت		
پاک اور پیارا محمدی انقلاب	مولانا امین الدین شجاع الدینؒ	۳۸
فقہ و فتاویٰ		
سوال و جواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۹
دینی شذرات		
محاسبۂ نفس	نعیم الرحمن صدیقی ندوی	۴۰
منزل بہ منزل		
نصف صدی، مسلسل اشاعت کی	جاوید اختر ندوی	۴۱
ایک جائزہ		
تعمیر حیات کی جلدیں۔ ایک نظر میں	محمود حسن حسنی ندوی	۴۴

اداریہ

تعمیر حیات-مسلسل اشاعت کے پچاس سال مکمل

شمس الحق ندوی

''تعمیر حیات'' ماہ اکتوبر میں اپنی عمر کے پچاس سال پورے کر رہا ہے، یہ اس کی پانچویں دہائی کا آخری مشترکہ شمارہ ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس موقع پر اس کے فرشتہ صفت بانی مدیر مولانا سید محمد الحسنیؒ کا فکر انگیز و دلنواز اسلوب و طرز کلام نگاہوں کے سامنے ابھر رہا ہے۔

ندوہ ایک مدرسہ ہی نہیں بلکہ ایک دبستان فکر ہے اور مولانا سید محمد الحسنیؒ کی تعلیم و تربیت ایسے ماحول میں ہوئی تھی جو اپنی گہری اسلامی چھاپ کے ساتھ قدیم و جدید ثقافت کا جامع تھا، ان کے والد ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء طب یونانی، ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک، تینوں طریقہ ہائے علاج کے ماہر ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم فنون پر نہ صرف گہری نظر رکھتے تھے بلکہ اپنی فراست و بصیرت سے عالم اسلام کے اندر پیدا ہونے والے تغیرات اور اس کے افق پر نمودار ہونے والے خطرات کو دیکھ رہے تھے اور اس کے مقابلے کے لیے جن صلاحیتوں اور تیاریوں کی ضرورت تھی، اس کو بھی اچھی طرح سمجھ رہے تھے، اور ان کے عم مکرم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنی خاندانی خصوصیات، خداداد صلاحیتوں اور بڑے بھائی کی پدرانہ شفقتوں، رہنمائیوں اور والدہ ماجدہ کی دعائے سحر گاہی کے اثر سے ایک بلند قامت مؤرخ، مفسر، ادیب و داعی کی حیثیت سے عالم عربی میں اپنے بے لوث داعیانہ افکار و خیالات کا سکہ بٹھا رہے تھے۔

اسی ماحول میں مولانا سید محمد الحسنیؒ نے تربیت پائی تھی اور پلے بڑھے تھے، چنانچہ انھوں نے تعمیر حیات کا جو پہلا اداریہ لکھا، اس میں ندوہ کی ترجمانی کرتے ہوئے، اس تربیت کا عکس ان الفاظ میں جھلکا بلکہ چھلکا، جو جماعتی و گروہی عصبیت سے بلند ہو کر صرف اسلام کے صاف شفاف چشمہ کی ترجمانی کر رہا تھا، انھوں نے لکھا:

''ندوۃ العلماء درحقیقت قدیم و جدید کی مصنوعی تقسیموں اور سطحی بحثوں سے بالاتر ہے، قدیم و جدید کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں، اسلام نہ قدیم ہے نہ جدید، نہ مشرقی ہے نہ مغربی، نہ ندوی ہے نہ دیوبندی نہ علی گڑھی اور نہ کچھ اور، وہ پانی، ہوا اور غذا کی طرح ہر زمانہ میں یکساں، ہر شخص کے لیے ضروری اور آفتاب کی طرح ہمیشہ سے زندہ و تابندہ ہے، وہ ایک ازلی و ابدی آسمانی پیغام ہے، جو زمانہ و تاریخ، زبان و ادب اور معاشرتی و اجتماع کے اثرات سے آزاد و ماوراء ہے، اس لحاظ سے ندوۃ العلماء کی دعوت کو بھی قدیم و جدید کے چھوٹے چھوٹے پیمانوں سے ناپنا درست نہیں، جو عین اسلام کی دعوت، علوم نبوت کی ترجمانی و اشاعت اور انبیاء علیہم السلام کی نیابت و وراثت ہے''۔

تعمیر حیات جواب اپنی عمر کی پانچویں دہائی مکمل کر رہا ہے، اس کا اجرا انھیں مولانا سید محمد الحسنیؒ کے فکر ارجمند اور قلم گہر بار سے ہوا تھا جو پیکر اخلاص ہونے کے ساتھ ساتھ نام و نمود اور شہرت و مقبولیت کی طلب و وجاہت سے بلند ہو کر صرف جذبۂ دعوت اور اسلام پر ہونے والے حملوں سے نبرد آزمائی کی خاطر اپنے زور قلم سے عالم اسلام میں مغرب کی سازشوں اور اسلام دشمن دعوتوں اور تحریکوں کا پردہ فاش کرنے کے لیے بڑے ولولہ انگیز انداز میں مضامین لکھتے تھے، جن کے زور قوت کی تعبیر ان کے عم معظم مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

''عالم اسلام کی زبوں حالی نے ان کے قلم کو ایک ایسے آبشار میں تبدیل کر دیا تھا جو چٹانوں سے ٹکرانے کی وجہ سے ابلتا ہے، اور بڑے جوش و شور کے ساتھ گرتا ہے، اس کے نتیجہ میں ایسے مضامین ان کے قلم سے نکلے جن میں آبشار کا شور اور طوفان کا زور ہے''۔

اللہ تعالیٰ مولانا سید محمد الحسنیؒ کی روح کو کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے، انھوں نے تعمیر حیات کی جو دعوتی، اصلاحی، تربیتی، اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف بہت باریک اور خوبصورت انداز میں کی جانے والی سازشوں کا پردہ فاش کرنے کی بنا ڈالی، اس کی برکت سے تعمیر حیات اسی نقش اول پر چلتا رہا ہے، اس کے سامنے ہمیشہ تعمیری پہلو رہتا ہے، سلبی باتوں سے وہ ہمیشہ اعراض برتتا رہا ہے، مولانا سید محمد الحسنیؒ اس دنیا میں نہ رہے، مشیت خداوندی نے اپنی حکمت کے تقاضہ سے ان کو عین شباب میں بلا لیا، اللہ تعالیٰ نے مولانا سید محمد الحسنیؒ کو اچھے رفقاء بھی عطا فرمائے تھے، اول مرحلہ میں موجودہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی اور بعد کے مرحلہ میں مولانا اسحٰق جلیس ندوی مرحوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان کے بعد آنے والوں میں ان کی جانشینی اور خلا کو پر کرنے کی صلاحیت تو نہ تھی، لیکن مولانا سید محمد الحسنیؒ کے اخلاص، ان کے دردِ دل اور تڑپ و بے کلی اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے قومی، ملی درد و سوز کی برکت تھی کہ تعمیر حیات کا بھرم قائم رہا اور اس نے اپنا تعمیری کام اس طرح جاری رکھا کہ قارئین کا اعتماد بڑھتا رہا، مدح و ستائش اور حوصلہ افزائی کے خطوط اس کے کارکنوں کا دل بڑھاتے رہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جاچکا ہے، چونکہ تعمیر حیات کے اجراء کا مقصد "دعوت و اصلاح، دینی اسلامی تربیت اور اسلام و مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی ایسی گہری سازشوں سے مسلمانوں کو باخبر رکھنا اور اس سے دور رہنے اور بچنے کی دعوت دینا رہا ہے" کہ ایسا نہ کرنے میں مسلمان غیر شعوری طور پر الحاد و دہریت کا شکار ہوجائیں، خود ستائی پر محمول نہ کیا جائے تو یہ کہنا بجا ہوگا کہ مستشرقین اور یورپین قوموں کی گہری سازشوں کو سمجھنے اور اس کا پردہ فاش کرنے میں تعمیر حیات کو امتیاز حاصل ہے، جو اس کے جہاں دیدہ اور تاریخ پر گہری نظر رکھنے والے سرپرستوں اور ان کے نیازمندوں کے قلم سے نکلتا رہتا ہے۔

چونکہ میڈیا ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اسلام و مسلمانوں کے خلاف ہی خبریں شائع کرتا ہے کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہوں، اس لیے تعمیر حیات اصلاح و تربیت، اخلاق و اخلاص کے موضوع پر مضامین شائع کرنے کے ساتھ ایسی خبریں اور مضامین شائع کرتا ہے جو حوصلہ بڑھانے والے ہوں، چنانچہ بعض قارئین نے کہا کہ تعمیر حیات پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ہم زندہ ہیں۔

قارئین تعمیر حیات مختلف سطح اور صلاحیتوں کے ہیں، اس لیے مضامین کی ترتیب میں ہر سطح کے لوگوں کی رعایت کی جاتی ہے کہ فائدہ عام ہو۔

فقہی سوال و جواب کا صفحہ اسی لیے رکھا گیا ہے کہ عوام یا جدید طبقہ کے لوگوں کو روزمرہ کے مسائل معلوم ہوتے رہیں، جن کے بغیر مسلمان صحیح دینی زندگی نہیں گذار سکتا۔ تعمیر حیات جوشیلے اور جارحانہ مضامین لکھنے سے مکمل احتیاط کرتا ہے، اس سلسلہ میں اس کا عمل اس قرآنی ہدایت پر ہوتا ہے:

"ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ" یعنی حکمت و دانائی اور اچھے انداز بیان میں دعوت کا فریضہ انجام دو اور بحث کا موقع آئے تو باوقار اور اچھے و دلکش انداز میں یہ کام انجام دو، جس کا کم سے کم فائدہ یہ ہوگا کہ مخاطب اگر قائل نہ ہوا تو مشتعل بھی نہ ہوگا کہ اشتعال سے مزید نقصان پہنچتا ہے۔

تعمیر حیات اس بات کا بھی لحاظ رکھتا ہے کہ مسلم ممالک کے حالات بھی سامنے آتے رہیں، وہاں پیدا ہونے حالات کے اسباب کا گہرائی سے جائزہ لیا جائے اور اس سے نہ صرف باخبر رہا جائے بلکہ اس سے جو غلط و نقصان دہ اثرات مرتب ہوں گے، ان سے باخبر کیا جائے، اللہ کا شکر ہے کہ تعمیر حیات کے مضامین ہندو پاک کے اکثر اخبار و رسائل میں نقل ہوتے رہتے ہیں۔

تعمیر حیات کا مقصد چونکہ اصلاح و تربیت کے ساتھ بعض علمی شکوک و شبہات کو بھی دور کرنا ہے، اس لیے موقع و مناسبت کے اعتبار سے اکابر اہل قلم خصوصاً علامہ شبلی نعمانیؒ، علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مضامین نقل کیے جاتے ہیں اور قارئین کو فائدہ پہنچتا ہے۔

تعمیر حیات قمری مہینوں کی مناسبت سے بھی مضامین کو تازہ کرتا رہتا ہے کہ تذکیر و یاددہانی سے عمل کا نیا شوق و جذبہ پیدا ہوتا رہے، چنانچہ شعبان، رمضان، ذی الحجہ، ربیع الاول کی مناسبت سے مضامین شائع کرتے رہنے کا اہتمام کرتا ہے، جس سے بہت سی بدعات و خرافات کی بھی تردید ہوتی رہتی ہے اور جذبۂ عمل بھی ابھرتا ہے، تعمیر حیات پوری قوت و طاقت اور یقین و اعتماد کے ساتھ یہ بات پیش کرتا ہے کہ گردش لیل و نہار چاہے کتنی ہی کروٹیں بدلتے رہیں، اسلام ایک ابدی دین ہے وہ ہر موقع پر زمانہ کی رہنمائی کرتا رہے گا۔ ہم اپنی بات مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ان فکر انگیز الفاظ پر ختم کرتے ہیں جن کی آج دنیا کو سب سے زیادہ ضرورت ہے:

"اسلام اپنے اصولوں کے ذریعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں خواہ وہ اخلاقی ہوں یا تمدنی، خواہ افراد کے باہمی رشتوں سے تعلق رکھتے ہوں یا ان کی خارجی زندگی سے ان اصولوں کے ذریعہ عہد جدید کے نہ صرف جائز تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے بلکہ عصر جدید کو اس تباہی سے بھی بچاسکتا ہے جو تلوار کی طرح اس کے سر پر لٹک رہی ہے"۔

نوٹ: "تعمیر حیات" کی مسلسل اشاعت کی پانچ دہائیوں کی تکمیل اور موجودہ حالات کی مناسبت سے جن سے ہم اور آپ دوچار ہیں، ہر طرف ظلم و سفاکی، بربریت، منافرت، خودغرضی، مادہ پرستی اور خدا فراموشی کا دور دورہ ہے، اور انسانیت سسک رہی ہے، اس کی جلدوں سے وہ فکر انگیز اور رہنما مضامین نکال کر قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں جو آج بھی تازہ ہیں اور مشعل راہ کا کام دے رہے ہیں، یہ ہمارے اُن بزرگوں کے نقوش جاوداں ہیں جن کا "تعمیر حیات" سے تعلق اپنے اپنے عہد میں سرپرست، نگراں، مشیر، مدیر، نائب اور معاون کا رہا، نوع بہ نوع موضوعات پر یہ مضامین ہماری نصف صدی کی تاریخ کی یاد تازہ کرتے ہیں، ہمیں نیا حوصلہ دیتے اور ہمارے دلوں میں نئی امنگیں پیدا کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

(فکر و عمل)

معرکۂ ایمان و مادیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

بانی ایڈیٹر "تعمیر حیات" کے نام غرناطہ (اسپین) سے حضرت مولاناؒ کا یہ اہم مکتوب جو تعمیر حیات کے پہلے شمارہ ۱۰/ نومبر ۱۹۶۳ء میں شائع ہوا جو آج بھی اسی طرح تازہ ہے، یہ خط نہایت اہمیت کا حامل ہے، اس میں دراصل پورے سفر کا نچوڑ آگیا ہے، حضرت مولاناؒ اپنے مشاہدہ و مطالعہ سے جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ انہوں نے اس خط میں بہت صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے، کچھ اہم عملی تجاویز بھی ہیں جو ملت کے ہر دردمند کے لیے لائق توجہ اور قابل غور ہیں، امید ہے کہ حضرت مولانا کی یہ آواز صدا بصحرا ثابت نہ ہوگی۔ [ادارہ]

غرناطہ-۲۴/اکتوبر ۱۹۶۳ء

عزیز از جان سلمہ اللہ تعالیٰ وحفظہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے ہمارا پچھلا رجسٹرڈ خط مل گیا ہوگا، وہ ہم نے گلاسگو جاتے ہوئے لکھا تھا، گلاسگو کا سفر حقیقی معنی میں ہوائی اور طائرانہ رہا، صبح ہوائی جہاز سے گئے، رات ہوائی جہاز سے واپس آگئے، جمعہ پڑھا، دو خطاب بھی ہوئے، مسلمانوں کی بڑی تعداد ہے، دو اور تین ہزار کے درمیان، لیکن بے حد مصروف، جمعہ میں بھی سو سوا سو سے زیادہ نہ تھے، یہ ہفتہ بھر کی مزدوری یا تنخواہ ملنے کا دن ہے، اس لیے بعد مغرب بھی بہت کم آسکے، مغربی زندگی کی سب سے بڑی آزمائش یہی مصروفیت اور انہماک ہے، مقصود اللہ جنگ صاحب کے دونوں صاحبزادے افتخار اور ممتاز صاحبان ہی میزبان تھے، بڑی محبت اور سعادت کا اظہار کیا، اور عزیزانہ طریقہ پر پیش آئے، افتخار صاحب ہی یہاں تبلیغی کام کے روح رواں ہیں، دونوں بھائی مولوی ابوالعرفان صاحب کو بہت یاد کرتے تھے، والدہ کی شفقت و خلوص ان لڑکوں میں خوب آیا ہے۔

سنیچر (۲۰، ۲۱/اکتوبر) کا دن بڑا مصروف گزرا کچھ وقت برٹش میوزیم میں، اور کچھ وقت لندن کے مشہور "سیارہ گاہ" Planetarium کی سیر کی، ایک نہایت وسیع گنبد کے اندر آسمان کا نقشہ دکھایا ہے، تاروں بھرا آسمان اور رات کا سماں تھا، اس منظر کے ساتھ ایک علمی تعارفی لکچر جاری تھا، سیاروں کا زمین سے بعد، ان کے آپس کے فاصلے، کروڑوں سیارے، پھر ان کا زمین سے لاکھوں اور کروڑوں میل کا فاصلہ، سیاروں کا نظام، روشنی کا سفر، اور ہزاروں برس میں اس کا زمین تک پہنچنا، گویا فلکیات کی ایک کتاب کھلی ہوئی تھی، لیکن عبرت اور حیرت کی بات یہ ہے کہ نہ تو تعارف کرانے والے نے اس سے خدا کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ اور معجز صنعت کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی، اور نہ کہیں خدا کا نام لیا، نہ غالباً حاضرین میں سے (سوائے ان دو گنہگار مسلمانوں کی جن کو نبی امیؐ سے غلامی کی نسبت کا شرف حاصل ہے) کسی کا ذہن اس طرف متوجہ ہوا، لیکن دیدۂ بینا اور گوش شنوا کے لیے در و دیوار سے صدا آرہی تھی کہ "رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا" اور "صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ"، حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے مسیحی رسوم و شعائر کو سینہ سے لگائے رکھنے کے باوجود علم اور زندگی کا رشتہ مذہب سے توڑ رکھا ہے، اس لیے وہ آفاق سے مرکز آفاق اور خالق آفاق کی طرف منتقل نہیں ہوتا، اور وہاں تفکر فی الخلق کا نتیجہ وہ معرفت خالق نہیں، جس کا تذکرہ اس آیت "وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا" میں ہے۔

انگلستان کے ساتھ انگریز اور فرنگ کے ساتھ فرنگی کا ذکر بھی ضروری ہے، مادیت زندگی کی انہماک، تنازع للبقاء، اور خود ساختہ معیاروں اور مقاصد کے حصول کی تگ و دو نے لطیف تر احساسات، روحانی تشنگی اور خدا طلبی کے جذبہ کو تقریباً دفن کردیا ہے، اسی لیے اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں، قوت ارادی، احساس ذمہ داری، نظم و ضبط، اور بہت سی خوبیوں کے باوجود وہ صحیح روحانی تحریکوں اور دینی و روحانی فتوحات سے محروم ہے، اور ماہرین فن کی یہ سرزمین جس نے دنیا کا نقشہ اور زندگی کا دھارا بدل دیا، عارفین سے خالی ہے، شاید اسی بنا پر مغرب کے رمز شناس اقبال نے کہا تھا ع

یہ وادیٔ ایمن نہیں شایانِ تجلی

اور ان کی فطرت سلیم نے کچھ دن ان فرنگی

ساحروں کے درمیان رہنے کے بعداس طرح احتجاج کیا تھا ؎

نشستم با نکویان فرنگی
ازاں بے سوز تر روزے ندیدم

رہی سہی فطرت کی سلامتی اور نفس لوامہ کی سرزنش "خمر وخنزیر" نے ختم کردی، یہاں چندن رہ کران دونوں "جماع الاثم" کی حرمت کی حکمت پر جس پر الحمدللہ ایمان بالغیب اور شرح صدر ہمیشہ تھا، عین الیقین بن گئی، بعض مواقع ایسے پیش آئے کہ اس قوم کی بدمستی اور شراب کی مردافگنی کا اندازہ ہوا، جمعہ اور سنیچر کی درمیانی رات خاص طور پر اس قوم کے لیے جس کی اسی شب میں مستی گرم ہوتی ہے، نائے و نوش اور "عیش کوش" کی رات ہے، اور اتفاق سے ایک رات کو جب ذرا دیر سے اپنی قیام گاہ پہونچنا ہوا، اور کنجی نہ ہونے کی وجہ سے دیر تک دروازہ کھلنے کا انتظار کرنا پڑا، ان مدعیان عقل کی بے عقلی کا خوب منظر دیکھا، ہم مسلمان کس کس بات پر اللہ کا شکر ادا کریں اور کس کس طرح اس نبی امیؐ پر درود وسلام بھیجیں جس نے ان دونوں ام الخبائث کو ہمیشہ کے لیے حرام کیا: "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ" یورپ کی موجودہ رندی وآبرو باختگی کی زندگی میں ان دونوں چیزوں کو پھر عورت کی مطلق بے حجابی اور تبرج جاہلیت اور بے قید اختلاط کو بنیادی طور پر دخل ہے: فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ.

اس سب کے باوجود اب بھی اگر یورپ میں کوئی چیز موثر ہوسکتی ہے، اور ان کے معروف دل و دماغ پر کوئی چیز ضرب لگا سکتی ہے تو وہ صحیح اور طاقت ور روحانیت ہے، لوگ تعجب کریں گے، ہم کو تو یورپ میں اپنے صاحب اشراق واخلاص، چشتی مشائخ اور قوی النسبت نقشبندی بزرگ بہت یاد آئے، ہمارے نزدیک یہی گروہ اس ملک میں سب سے زیادہ کامیاب ہوسکتا ہے، اور انقلاب لاسکتا ہے، روشن خیالی، اور قوت استدلال کا جادو یہاں چلتا نظر نہیں آتا کہ یہاں بازار میں اس جنس کی کمی نہیں، اور ہم جنس چیز اکثر متوجہ کرنے میں ناکام رہتی ہے اور اکثر اوقات بے اعتنائی کی نذر ہوجاتی ہے کہ یہ سرمایہ ہمارے پاس بھی بہت ہے، یورپ کا ذہن یا تو قوی وفائق روحانیت سے مات کھاتا ہے یا عمیق وغامض فلسفہ سے، اور تصوف دونوں کا جامع ہے، اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں ہر ایسی چیز کامیاب ہوجاتی ہے جو یورپ کو اپنی زندگی سے مختلف اور اپنی سطح سے گہری نظر آتی ہے، اس میں اس کو دھوکے بھی ہوتے ہیں، اور وہ بعض اوقات اپنی ہی کہاوت کے مطابق ہر چمکنے والی چیز کو سونا سمجھ لیتا ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ کھرا اور ٹکسال کا سونا اب بھی مادہ پرست اور باغی یورپ کو خرید سکتا ہے، لیکن تصوف خود اپنے مرکز (اسلامی مشرق اور اپنے آخری مرکز ہندوستان) میں دم توڑ رہا ہے، اس کی ضرورت وافادیت کو وہاں عرصہ سے چیلنج کیا جا رہا ہے، اور خود اس سلسلہ میں قوی الاستعداد اور عالی ہمت لوگوں کی عرصہ سے ایسی کمی ہے، کہ خود وہاں نصف صدی سے زائد مدت سے تسلسل یہ صدا آرہی ہے کہ ع

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اس موقع پر مرشدنا حضرت مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ بہت یاد آئے کہ ان کو تصوف اور شرعی وقرآنی اصطلاح میں تزکیہ و احسان کے اس فائدہ اور اس پہلو پر بہت یقین تھا، اور ان کو اس کی بڑی تمنا تھی کہ ایسے صاحب باطن اور ایسے صاحب روحانیت ایسے مرکزوں میں بیٹھ جائیں، اور اپنی حرارت باطن اور سوز دروں سے خلق اللہ کے قلوب کو روشن اور گرم کریں مگر لوگوں میں نہ اس کی ہمت نہ فرصت، کسی نے توجہ سے ان کی بات بھی نہ سنی، اس وقت انگلستان میں اور سنا ہے کہ امریکہ میں بھی ایک انڈونیشی شخص جن کو ان کے معتقدین پاپاک ثبوت کہتے ہیں اور جو ایک خاص طریقہ پر توجہ دیتے ہیں اور ان کا طریق تخلیہ باطن پر قائم ہے، ایک محدود حلقہ میں بہت مقبول ہو رہے ہیں، جہاں تک ان کے حلقہ نشینوں سے پتہ لگایا، وہ فرائض شرعیہ کے پابند نہیں، وحدت ادیان کا سا خیال معلوم ہوتا ہے، اگرچہ وہ اپنے کو مسلمان ہی کہتے ہیں، لیکن اگر یہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ یا حضرت خواجہ باقی باللہؒ کا کوئی قوی النسبت متبع سنت بلکہ عاشق سنت اور عاشق رسولؐ جانشین پہونچ جائے تو کیا عجب کہ ع

جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

اور اقبال کا یہ کہنا بھی صحیح ہوجائے ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

باقی یہاں ان اسلامک مشن وغیرہ کا نہ کچھ کام دیکھا نہ ذکر سنا جن کا برسوں سے غلغلہ بلند ہے اور دھوم مچی ہوئی ہے کہ یورپ عنقریب فتح ہونے والا ہے، یونیورسٹی اور کالجوں کے اساتذہ اور ذہین طلبہ کا طبقہ اچھے طاقت ور اسلامی لٹریچر کا بے شک محتاج ہے بشرطیکہ مناسب، عمدہ زبان میں ہو، اور اس میں مرعوبیت اور معذرت وتاویل کا وہ انداز نہ ہو، جو تقریباً اس صدی کی ابتدا سے ہی انگریزی میں اسلامیات کے مصنفین کا شعار رہا ہے، افسوس ہے کہ ابھی تک سیرت پر بھی کوئی طاقت ور اور موثر کتاب نہیں ملتی، معلوم ہے ہمارے انگریزی خواں مسلمان (جن پر پوری ایک صدی گزر چکی ہے،)

اپنی صلاحیت کہاں صرف کرتے ہیں، اور یہ میدان ایک صدی سے کیوں خالی چلا آرہا ہے ؎

گوئے توفیق وسعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد

جہاں تک مسلمان طلبہ اور نوجوانوں کا تعلق ہے جو یہاں لاکھوں کی تعداد میں انگلستان، فرانس، جرمنی اور اسپین میں زیر تعلیم ہیں، ان کی اصلاح و تربیت اور ان کی اسلامیت کی حفاظت کے لیے سب سے بہتر نسخہ وہ ہے جو ہندوستان کے لیے مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ نے تجویز کیا تھا اور اب ہمارے مولانا عبد الباری صاحب ندویؒ اس کے علمبردار اور داعی ہیں یعنی طلبہ کے لیے اقامت خانوں کی تاسیس اور ان میں اچھے نگراں و مربی کا انتظام، یہاں ہوسٹلز اور طلبہ کے قیام کا مسئلہ بڑا اہم مسئلہ ہے، عام طور پر طلبہ فلیٹ لے کر یا گھروں میں (لینڈ لینڈی کے مکانات ہیں) میں رہتے ہیں، ان کی تربیت اور ان کے اندر اسلامی شعور کے بیدار کرنے کا ذکر کیا جو اسلامیت وہ اپنے گھروں سے لے کر آتے ہیں، اس کو محفوظ رکھنے کا بھی کوئی سامان نہیں، ساری فضا، سارا ماحول ("صدق" کی پرمعنی اصطلاح میں) یاجوجی اور دجالی ہے، ایسی حالت میں اگر ایسے ہوسٹلز اور بورڈنگ ہاؤس قائم کیے جائیں، یا وسیع مکانات کرایہ پر لے کر ان کو خرید کر اس مقصد کے لیے وقف کیا جائے، اور ان میں طالب علم یا کم بیش رکھے جائیں، اور کوئی کام کا آدمی جو ان پر اثر انداز ہوسکے وہاں قیام کرے تو نہ صرف یہ کہ یہ نوجوان (جو ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ہندوستان وپاکستان سے زیادہ یہاں دین کی بات قبول کرنے کی صلاحیت اور اس کی طلب رکھتے ہیں)، یاجوج کی دستبرد سے بچ جائیں گے بلکہ امید ہے کہ مسلم ممالک کو بہتر قیادت اور حکومتیں نصیب ہوں گی، جو عرصہ دراز سے فرنگ کے مسخ شدہ عناصر کے ہاتھ میں بازیچۂ اطفال بنی ہوئی ہیں، اور سادہ دل وگرمجوش صاحب ایمان عوام بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ان کی لاٹھی کے پیچھے ہیں، یہی نوجوان ہیں (جو اپنی عصر حاضر کی صلاحیت اور فنی مہارت کی وجہ سے ان ملکوں کی زمام کار سنبھالیں گے)، ان کو سنبھالنے کی جگہ ہندوستان وپاکستان، مصروشام اور ترکی نہیں جہاں وہ پختہ اور مغربی تہذیب کے پرجوش داعی بن کر پہونچیں گے بلکہ یہ کارگاہیں ہیں جہاں ان کو پگھلا کر نئے سانچہ میں ڈھالا جاتا ہے، یہاں مکانات خریدنے (خصوصاً دولت مشترکہ کے ملک میں رہنے والوں کے لیے) کی بہت آسانیاں ہیں، اس کوشش کا فوری نتیجہ نہیں نکلے گا، لیکن نتیجہ بڑا انقلاب انگیز ہے، ممکن ہے اس سے نصف صدی کے اندر ہمارے مسلم ممالک کی قیادت میں انقلاب ہوجائے اور ان کا رخ غیر شعوری طریقے پر اور بغیر کسی سیاسی کشمکش کے شر سے خیر، فرنگیت کامل سے اسلام کامل کی طرف تبدیل ہوجائے، لیکن اس کے لیے ہمارے صاحب استطاعت اہل خیر اور سرمایہ داروں کی ضرورت ہے، مسلمان طلبہ جوق در جوق ایسے اقامت خانوں کا استقبال کریں گے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو صاحب یہ قدم اٹھائیں، وہ خفیف مالی منفعت بھی حاصل کریں، لیکن صحیح اسلامی فضا اور مناسب آدمی کی یافت اس پورے منصوبہ کی کنجی اور اس کی کامیابی کی شرط ہے، اس توقع پر کہ شاید یہاں کا یہ تاثر وتجربہ کچھ لوگوں کو متوجہ کرے اور اس اندیشہ سے کہ یہ بات کہیں ذہن سے نہ نکل جائے اس کو تحریر میں لے آیا گیا۔

"وَفِي ذَٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ".

آج اسی تحریر پر اس کو ختم کرتے ہیں، MADRID (مجریط) TOLADO (طلیطلہ) GARNADA (غرناطہ مرحوم) کی داستان طویل بھی ہے اور دل خراش بھی ع

کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستاں میری

ابوالحسن علی
غرناطہ-ہوٹل سوڈان
۲۴/اکتوبر ۱۹۶۳ء

☆☆☆☆☆

اس سب کے باوجود اب بھی اگر یورپ میں کوئی چیز مؤثر ہوسکتی ہے، اوران کے مصروف دل و دماغ پر کوئی چیز ضرب لگا سکتی ہے تو وہ صحیح اور طاقت ور روحانیت ہے، لوگ تعجب کریں گے، ہم کو تو یورپ میں اپنے صاحب اشراق واخلاص، چشتی مشائخ اور قوی النسبت نقشبندی بزرگ بہت یاد آئے، ہمارے نزدیک یہی گروہ اس ملک میں سب سے زیادہ کامیاب ہوسکتا ہے، اور انقلاب لاسکتا ہے، روشن خیالی، اور قوت استدلال کا جادو یہاں چلتا نظر نہیں آتا کہ یہاں بازار میں اس جنس کی کمی نہیں، اور ہم جنس چیز اکثر متوجہ کرنے میں ناکام رہتی ہے اور اکثر اوقات بے اعتنائی کی نذر ہوجاتی ہے کہ یہ سرمایہ ہمارے پاس بھی بہت ہے، یورپ کا ذہن یا تو قوی وفائق روحانیت سے مات کھاتا ہے یا عمیق وغامض فلسفہ سے، اور تصوف دونوں کا جامع ہے.

(روشن مینار)

اکرام مسلم اور احترام انسانیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ہماری زندگی کے تمام کام دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں، ایک وہ جو ہماری خواہش اور مرضی کے مطابق ہیں، اور دوسرے وہ جو ہماری خواہش اور مرضی کے خلاف ہیں، مثلاً اپنی پسند کا کھانا، اپنی پسند کا پہننا، اپنے کو آرام پہنچانا، اپنی پسند اور خواہش کے کاموں میں وقت صرف کرنا، اپنا رعب جمانا، اپنی بڑائی جتانا اور اپنے کو دلکش اور پسندیدہ دکھانا۔ یہ سب ہماری پسند و خواہش کی باتیں ہیں، ان کے کرنے میں ہم کو کوئی تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ جی لگتا ہے اور مزا ملتا ہے، اس پر جو وقت صرف ہو خوشی سے صرف کیا جاتا ہے جو پیسہ خرچ ہو وہ فراخدلی سے کیا جاتا ہے، اس کے لیے کسی کے شوق دلانے کی دوسرے کے رغبت دلانے کی تاکید کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ سب خود بخود ہوتا ہے اور دنیا میں ہر طرف انجام دیا جارہا ہے، ان پر خوشی کے ساتھ خوب وقت صرف کیا جاتا ہے اور خوب دولت صرف کی جاتی ہے، لیکن وہ کام جو ہماری خواہش اور مرضی کے خلاف ہیں لیکن اچھے ہیں اور ضرورت و شرافت کے ہیں، سارا مسئلہ ان کا ہے، ان کے انجام دلانے کے لیے اہل اخلاص و دردمند لوگوں کو کوشش کرنا ہوتی ہے، مسلمان کو اس کا مذہب تلقین کرتا ہے کہ زندگی کی ذمہ داریوں کو خدا کے احکام کے مطابق اور اپنے تعلق اور اردگرد کے لوگوں کے فائدے نقصان کا لحاظ کرکے پورا کیا جائے، اس کو بتایا گیا ہے کہ اس کو آخرت میں اپنے پروردگار کے سامنے حاضر ہو کر جواب دینا ہوگا، کہ اپنے پروردگار کے کہنے کے مطابق زندگی گزاری تھی یا نہیں اور اپنی راحت کی فکر و طلب کرتے وقت دوسرے کے ساتھ زیادتی یا اس کی حق تلفی تو نہیں کی تھی، قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں اس کے احکام ہیں، تفصیلات ہیں، تاکیدیں ہیں، اور آخرت کے اجر کی امید دلائی گئی ہے، اور سزاؤں سے ڈرایا گیا ہے، جو مسلمان اللہ سے ڈرتے ہیں، اور آخرت میں بہتری چاہتے ہیں ان کے یہاں اس کے اثرات ملتے ہیں۔

دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے یہاں بھی اس کی کچھ ہدایات ملتی ہیں، جن کی روشنی میں آدمی کو یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اپنے آرام اور فائدہ کی طلب میں ہم اتنا نہ بڑھ جائیں کہ دوسروں کو نقصان پہنچے، لیکن مذہب سے بے پرواہ لوگوں میں خواہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم یا سراسر دنیا سے وابستہ جن کے یہاں مذہبی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں، یا ان کے دین میں من مانی زندگی گزارنے پر کوئی مواخذہ نہیں ان کے یہاں جتنا میسر ہوسکے عیش کیا جائے اور جو ممکن ہوسکے وہ فائدہ اٹھایا جائے ایسے لوگ اپنے آرام کے لیے اور اپنی خواہش پورا کرنے کے لیے جو بھی زیادتی یا حق تلفی کریں کوئی تعجب کی بات نہیں، دوسروں کی تکلیف یا نقصان کا لحاظ کیے بغیر اپنی خواہش و آرام کی فکر کرنا دراصل یہ وہ ذہن ہے جس نے اس وقت دنیا میں تباہی مچا رکھی ہے، ظالم کو ظلم میں مزا آتا ہے یا فائدہ حاصل ہوتا ہے، لہٰذا وہ مظلوم کی تکلیف کی فکر کیوں کرے، عیش پسند کو اپنے عیش کے لیے دولت صرف کرنا ہے، وہ اس کے حصول کے لیے اچھے برے اور حق ناحق کی فکر کیوں کرے، اور ایسا آدمی جب اپنے مقاصد کے حصول کی فکر کرے گا اور اس کے لیے مال کی ضرورت ہوگی تو وہ مال کسی نہ کسی طرح حاصل کریگا خواہ کسی دوسرے کو نقصان پہنچانا پڑے، رشوت، سود، غبن دوسرے کے ساتھ ظلم یہ سب اسی طرز زندگی سے پیدا ہوتے ہیں، یہ وہ صورت حال ہے جو بڑھ کر ساری دنیا کو تباہی کے غار میں پہنچا سکتی تھی اور کمزوروں اور غریبوں کی زندگیوں کو جہنم بنا سکتی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے اس نے ہر انسان کے سینہ میں دل رکھا ہے، اس دل میں اس کا ضمیر ہے جو بری بات کو برا دیکھ سکتا ہے اور اس پر ٹوک سکتا اور اچھی بات کو اچھا دیکھ سکتا ہے اور اس کی رغبت دلا سکتا ہے، اس طرح اگر ایک طرف انسان کا نفس اس کو دھوکہ دیتا ہے اور اس کی خواہش کے لیے بری بات کو بھی اچھا بنا کر پیش کرتا ہے، تو دوسری طرف اس کا ضمیر اشارہ کرتا ہے کہ نہیں یہ بری بات ہے، اس طرح نفس اور ضمیر کی کشمکش ہوتی ہے، ضمیر طاقتور ہو تو نفس کو روکتا ہے اور بہت سی برائیاں رک جاتی ہیں اور دنیا کسی طرح چلتی رہتی ہے، دوستی کے حقوق کا لحاظ اور قدر دانی نظر آجاتی ہے، پڑوسی کے کچھ حقوق بھی ادا ہو جاتے ہیں اور مظلوم کی دادرسی کا احساس بھی اس کی کچھ مدد کی طرف متوجہ کر دیتا ہے اور اس طرح انسان خواہ دکھاوے کے لیے کرے کچھ نہ کچھ کرتا ہے، اگر نفس کو تنہا حکمرانی مل جاتی تو دنیا جلد ہی تباہ ہو جاتی، امیر لوگ غریبوں کی زندگیوں کو دشوار کر دیتے، ظالم مظلوم کو ختم کر دیتا، دنیا کا کوئی عیب عیب نہ سمجھا جاتا، آدمی صرف اپنے

ذاتی مفاد کی فکر کرتا خواہ وہ دوسرے کی نظر میں کیسا ہی برا کام ہو اور خواہ اس سے کسی دوسرے کو کتنا ہی نقصان ہوتا ہو، لیکن ضمیر ہر انسان کے پاس ہے اور وہ زندہ ہو تو ٹوکتا ہے اور بہت سی برائیوں اور زیادتیوں سے روک دیتا ہے۔ اسی لیے اصلاح چاہنے والے ضمیر کو آواز دیتے ہیں ضمیر کو بیدار کرتے ہیں، ضمیر بری بات کو دیکھ کر کہتا ہے کہ بری بات کو لوگ کیا کہیں گے، دنیا کیا سوچے گی، لوگ کیا رائے قائم کریں گے، یہ بات آدمی کے لیے کچھ روک بن جاتی ہے اور دنیا میں برائی پر جرأت کم ہو جاتی ہے اور بہت سی برائیاں رک جاتی ہیں، لیکن یہ جب ہوتا ہے جب ضمیر زندہ ہو، بیدار ہو۔

لیکن ضمیر مردہ ہو یا کمزور ہو تو مقابلہ نہیں کر پاتا ہے، اس وقت دنیا میں ضمیر عموماً مغلوب ہے، نفس کی حکمرانی ہے، اچھے برے کی تمیز اٹھتی جارہی ہے، مسلمان کے لیے ضمیر اور اللہ کی ناراضی کا خوف دو رکاوٹیں ہیں اور غیر مسلم میں صرف ضمیر کی رکاوٹ ہے، لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ مسلمان دو رکاوٹوں کے باوجود برے حال میں ہیں، غیر مسلموں اور دنیاداروں میں وہ کون سی برائیاں ہیں جو مسلمانوں میں نہیں ہیں، حالانکہ وہ خیر امت ہیں، ان کی مذہبی کتاب قرآن مجید ان کے سامنے ہے جس میں جگہ جگہ ان برائیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جن میں خدا تعالیٰ کی ناراضی سے ڈرایا گیا ہے اور ان برائیوں کے برے نتائج بتائے گئے ہیں، حدیث شریف موجود ہے جس کی تعلیمات میں انسان کو خوبیوں اور برائیوں سے واقف کرایا گیا ہے، لیکن ان سب باتوں کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں، ہم اپنے نفع اور مصلحت کے حصول میں دوسرے کے حق کے حدود سے پار ہو جاتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ اپنے عمل کے درست اور صحیح ہونے کے ہر طرح کے دلائل تیار کر لیتے ہیں، اپنا تھوڑا فائدہ ہو رہا ہو تو اس کے نتیجہ میں دوسرے کا زیادہ نقصان بھی نہیں دیکھتے، اپنی پسند کا معاملہ آجائے تو نہ خدا کے حکم پر دھیان دیتے ہیں اور نہ دوسرے کو جو نقصان ہوسکتا ہے، اس کو دیکھتے ہیں جہیز لینے کا موقع مل رہا ہو تو یہ نہیں دیکھتے کہ دینے والے پر کیا گزرے گی اور کیا تباہی آئے گی، جہیز کی مقدار کو کم محسوس کرتے ہیں تو بیوی کی زندگی دشوار کر دیتے ہیں، دفتر میں ہوتے ہیں اور کام کرانے والے سے سابقہ پڑتا ہے تو اس کی کسمپرسی کی طرف دھیان دیے بغیر اس سے جو فائدہ اٹھانا ممکن ہوتا ہے اس کے اٹھانے سے دریغ نہیں کرتے، اپنے کھیت کے چھوٹے ہونے کا احساس ہوتا ہے تو پڑوسی کے کھیت سے جتنا ممکن ہوسکے اپنے کھیت میں ملا لینا چاہتے ہیں، بازار میں مال فروخت کرتے ہوتے ہیں تو گراں بیچنے کی کوشش زیادہ کرتے ہیں خواہ اس کی وجہ سے ضرورت مند آدمیوں کو کیسی ہی تکلیف ہو جائے، اپنی طے کردہ رائے کا دفاع اس طرح کرتے ہیں جیسے وہ عقیدہ کی بات ہو کہ ذرا فرق نہیں ہوسکتا اور دوسرے کی رائے اگر اچھی نہ معلوم ہو تو اس طرح اس کو قابل نظر انداز قرار دیتے ہیں جیسے وہ مذہبی گمراہی ہو، اپنی عقل میں اپنی سمجھ پر بے انتہا اعتماد اور دوسرے کی سمجھ کو احمقانہ یا طفلانہ سمجھتے ہیں، اپنی رائے پر جم جانا اور دوسرے کی رائے کو ناقابل اعتناء سمجھنا ایک ایسا مرض ہے جو ہمارے مشرق میں اور مسلمانوں میں بڑھا ہوا ہے، اس کی وجہ سے ہر ایک اپنی رائے پر اڑتا ہے اور اس کے مقابلہ میں دوسرے کے قول و فعل کو مکمل ناسمجھی قرار دیتا ہے۔

اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے مشرق میں کوئی انجمن ہو یا جماعت، کوئی ادارہ ہو یا مسجد اس کے منتظمین متحد نہیں رہ پاتے، اپنی اپنی رائے کو اولیت دیتے ہیں، اس حد تک بڑھ جاتے ہیں کہ بالآخر لڑ کر ایک دوسرے سے علاحدہ ہو جاتے ہیں، پھر ایک دوسرے پر خودرائی اور بے عقلی کا الزام لگاتے ہیں، اور شدت بڑھتی ہے تو غیروں کے سامنے مقدمہ لے جاتے ہیں اور اپنے اپنے عمل کو اللہ کے لیے، قوم کے لیے، دین کے لیے سمجھتے ہیں، اور دوسرے کے عمل کو خود غرضی اور نفس پرستی قرار دیتے ہیں، اس طرح ہمارے تمام ملی کام انتشار کا شکار ہوتے رہتے ہیں اور برسوں ساتھ کام کرنے والوں کے دل آپس میں بری طرح جدا ہو جاتے ہیں، اگر ہم اپنے عمل اور اپنی رائے میں بھی غلطی اور برائی ہونے کا امکان محسوس کریں اور اس پر خلوص سے غور کر لیا کریں اور دوسرے سے اختلاف رائے کو سلجھانے کا نرم طریقہ اختیار کریں اور اکرام مسلم اور احترام انسانیت کو مدنظر رکھنے کی کوشش کریں تو نہ صرف یہ کہ بہت سے مسائل حل ہوسکتے ہیں، بلکہ ٹوٹے دل دوبارہ جڑ سکتے ہیں اور توافق و محبت بحال ہوسکتی ہے، اور ہمارا معاشرہ باہمی ہمدردی، تعاون و استحکام کے ساتھ چل سکتا ہے اور ایک دوسرے کے عمل و رائے میں جو کمزوری ہوسکتی ہو وہ بھی خوش اسلوبی کے ساتھ دور ہوسکتی ہے، یا کم از کم اس کا ضرر بہت کم ہوسکتا ہے، اسی طرح اپنے عمل و رائے کا نیک دلی کے ساتھ جائزہ لیتے رہنا کہ اس میں کیا خدا کی مرضی کے خلاف ہوسکتا ہے اور کیا دوسروں کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے اور جو غلط محسوس ہو اس سے بچنے کی کوشش کرنا ہمارے معاشرہ کی خوبی اور بہتری کا بڑا ذریعہ ثابت ہوسکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

(اسوۂ نبویؐ)

اسلام - مظلوم انسانیت کی پناہ گاہ

مولانا عبداللہ عباس ندویؒ

عصر حاضر آدم زاد کو ایک جانور کی سطح پر لا چکا ہے، اس کو انسانیت نہیں، انسان کا ڈھانچہ مطلوب ہے، وہ جاندار مخلوق کا ایک جرثومہ لے کر اس کی کاپیاں بنانے پر مصر ہے، اگر وہ کامیاب ہو گیا تو ایک انسان کی دس فوٹو کاپیاں تیار ہو جائیں گی، اور ہر فرد کی جگہ پر ایک سایہ نما انسان بغیر جذبات یا علم کے اور بغیر احساسات کے زمین پر چوپاؤں کی طرح رہ سکے گا، لیکن یہ طبی اور سائنسی ایجادیں ایک انسان نہیں بنا سکیں گی، جس کے اندر دوسروں کا غم ہو، جو اپنے پرائے کے لیے کام آ سکتا ہو، جو آسمان و زمین کی پیدائش، اور سورج کی گردش، رات اور دن کی بدلنے پر غور کر کے یہ کہہ سکے کہ:

"رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا". [سورہ آل عمران/۱۹۱] (اے میرے رب تو نے یہ سب بلا وجہ نہیں پیدا کیا ہے)۔

اور وہ انسان جس کو بتایا جا سکے:

"أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ". [سورہ المومنون/۱۱۵]

(ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تم کو یونہی مہمل (خالی از حکمت) پیدا کر دیا ہے، اور یہ خیال کیا تھا کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے)۔

لیکن تمدن کا تیار کردہ انسان اور اس کا کلون چوپائے کی طرح جذبات سے عاری، احساسات سے محروم، عقل و فکر سے بے بہرہ، ماضی و مستقبل سے بیگانہ، آل و اولاد، بھائی، بہن، والدین اور پڑوس کے حقوق سے ناواقف چوپایہ ہے، جس کو اپنی شکم پروری اور شہوت رانی کے علاوہ دنیا کی کسی شے سے مطلب نہیں ہے، اپنے نہ پر ہونے والے پیٹ اور اپنی غیر محدود ہوس کے لیے وہ اپنے جیسے انسانوں کا خون بہا سکتا ہے، اس کی عزت کو اپنے پاؤں تلے روند سکتا ہے، اور ایک ایک شخص اپنی ذاتی آسائش کے لیے ہزاروں کھوپڑیوں پر کرسی بچھا کر بیٹھ سکتا ہے۔

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کو اس حیوانی سرشت اور خود غرضی کے گھناؤنے گڈھے سے نکالا تھا، انسانیت دم توڑ رہی تھی، اخلاقی قدریں پامال ہو رہی تھیں، مروت اور شرافت کی پیشانی پر موت کا ٹھنڈا پسینہ آ چکا تھا:

"وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ آيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ". [سورہ آل عمران/۱۰۳] (اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو، جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی، سو تم خدا تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے، اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، سو اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی، اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتلاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو)۔

عام طور پر یہ ماضی کا قصہ سمجھا جاتا ہے کہ اہل عرب آپس میں ایک دوست کے دشمن تھے، ان کے دل پھٹے تھے اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا، اگر وہ اسی طرح رہتے تو آپس میں لڑ کر سب تباہ ہو جاتے، اور نتیجہ یہ ہوتا کہ یہ تمام لوگ آگ کے گڈھے میں یعنی جہنم میں جلائے جاتے، لیکن اس کا یہ بھی مفہوم ہے کہ پوری انسانی آبادی کا یہی حال تھا، اور اب بھی ہے اور انسانی آبادی کا یہی حال تھا، اور اب بھی ہے اور انسانی قدروں کے فنا ہونے کا نام انسان کا فنا ہونا ہے لفظ "کنتم" سے یہ معنی سمجھنا کہ یہ صیغہ ماضی ہے محاورے کے لحاظ سے درست نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا ہے، "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"، اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ تم بہترین امت تھے، بلکہ قرآن کریم کی عبارت کا سیاق بتلاتا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم بہترین امت ہو، اسی طرح فتنہ و فساد سے پر دنیا آج بھی تباہی کے دہانے پر کھڑی ہے اور اس کو بچانے کے لیے صرف پیغمبرانہ تعلیم جس کا خلاصہ اور آخری نسخہ قرآن کریم ہے اور ان احکام کو عملی شکل میں پیش کرنے والے رسول کریمؐ کی سیرت ہے، جس کے اندر آج بھی وہ کشش اور من موہنی ہے کہ وہ آج بھی انسانیت کی تقدیر بدل سکتی ہے اور وہ بھٹکا ہوا انسان جو اپنی سیدھی راہ سے، بہت دور بھٹک گیا ہے، "ضَلُّوْا ضَلَالًا بَعِيْدًا" کا مصداق ہے، وہ پھر اس راستے پر واپس آ سکتا ہے، جس پر چلنے والا کبھی بھٹکا نہیں، کبھی بے راہ نہیں ہوا، اور اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ اس پر انعام رہا اور رہے گا، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لیے باد بہاری ہے جو آج بھی چل رہی ہے اور ہمیشہ چلتی رہے گی، اس کے سایہ میں آنے والے خوش قسمت انسان نہ صرف اپنے بلکہ پوری انسانی برادری کے لیے باعث رحمت ہوں گے۔

انسان کا احترام مسلمانوں میں کس درجہ ہے، اس کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اس حقیقت کو دیکھیے جو خیالی واقعہ یا پرانے زمانہ کی داستان نہیں ہے بلکہ آپ کے روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ اسلام میں چھوت چھات نہیں ہے، کسی غیر مسلم کے ساتھ کھانے سے آپ کا کوئی برتن ناپاک نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اگر آپ نے وضو کا پانی رکھا، اس میں منھ لگا کر بھی کوئی غیر مسلم پی لے تو ناپاک نہ ہوگا، اور ایسا بھی نہیں کہ پاک اور ناپاک کی اسلام میں تفریق نہیں، اگر کتا منھ ڈال کر کوئی برتن جھوٹا کر دے تو اس کو سات مرتبہ پانی سے اور ایک مرتبہ مٹی لگا کر دھویا جائے گا، مگر کوئی انسان خواہ اس کا کوئی پیشہ ہو، اگر اس کے ہاتھ اور جسم میں غلاظت نہیں لگی ہے، صاف ستھرا ہے تو اس کا جھوٹا پانی ناپاک نہیں ہے، کیونکہ انسان بحیثیت انسان ناپاک نہیں ہے، یہی نہیں بلکہ آج بھی اگر کوئی ایمان لے آئے تو آج ہی سے ہماری ایمانی برادری کا فرد بن جاتا ہے، اگر پڑھ لکھ لے، قرآنی آیات اور نماز کی تسبیحات سیکھ لے تو ہماری امامت بھی کر سکتا ہے، ہمارا عالم و مقتدیٰ ہو سکتا ہے، ایسا بزرگ ہو سکتا ہے، جس کے لوگ ہاتھ چومیں اور اس کی جوتیاں سیدھی کرنے کو عزت سمجھیں اور ایک دو نہیں، سیکڑوں مثالیں ایسے علماء و مشائخ کی ہیں اور دور کیوں جایئے، قرآن کے بعد سب سے معتبر بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، آپؐ کے اقوال اعمال اور منظور کردہ باتوں کا سب سے بڑا مجموعہ صحیح بخاری ہے، جس کو "أصح الكتب بعد كتاب الله" کہا جائے، یعنی اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب، اس کا جمع کرنے والا کون تھا؟ عرب سے صدہا میل دور بخارا اور ترکستان کا ایک شخص، بودھ مذہب ماننے والوں کی اولاد، اسلام لانے کے بعد سارے عرب مسلمانوں کا امام اور امیر المومنین فی الحدیث ہو گیا۔

اسلام دنیا کا وہ پہلا دین ہے، جس کی یہ تعلیم ہے کہ لوگوں سے اچھی بات کہنا اور اچھائی سے پیش آنا انسانیت کا تقاضہ ہے، جس میں کسی دین و مذہب کی تخصیص نہیں ہے، دین و مذہب اور نسل و قومیت کا اختلاف کسی کو منصفانہ برتاؤ سے نہ روکے۔

"وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى". [سورہ المائدہ/۸] (اور کسی قوم کی عداوت اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف نہ کرو، عدل و انصاف (ہر حال میں) کرو، یہ بات تقویٰ کے قریب ہے)۔

حضرت ابو ہریرہؓ اور انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا". (آپس میں ایک دوسرے سے کینہ نہ رکھو، ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، اور نہ ایک دوسرے سے منھ پھیرو اور سب مل کر خدا کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ)۔

یہی سبب ہے کہ دنیا کے تمام ادیان و مذاہب کے درمیان اگر کسی دین کو انسانیت کا دین کہہ سکتے ہیں، فطرت انسانی کا ترجمان کہہ سکتے ہیں، تو وہ صرف اسلام ہے، آپ دنیا کے کسی اسٹیج سے، کسی پلیٹ فارم سے، کسی بین الاقوامی منبر سے ساری دنیا کو چیلنج کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا مذہب، کوئی ایسا اسوہ اور طریقہ اور کوئی اصول زندگی بتا دیا جائے، جس میں اسلام کی جیسی عالمگیریت ہو، اور انسانیت کے قد و قامت پر فٹ آتی ہو، ایسا مذہب جس کو ہر وہ انسان اپنا سکے جس کو کسی ماں نے جنم دیا ہو، اور ہوا سے سانس لیتا ہو، اور سورج کی کرنوں سے روشنی حاصل کرتا ہو، خواہ افریقہ کے کسی جنگل کا فرد، تہذیب و تمدن سے دور، علوم و فنون سے بیگانہ، اور ساری دنیا سے کٹا ہوا، یا کسی پہاڑ کے کھوہ میں اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہو، اس کے جسم پر اگر کوئی قبا راس آ سکتی ہے، تو وہی قبا ہے، جس کو فطرت نے اپنے ہاتھوں تراشا ہے، اور دست نبوت نے اس کو پہنایا ہے، اور یہ دعویٰ بے دلیل نہیں ہے، اور نہ جذبات و عقیدت کا نتیجہ ہے کہ ہم سرکار دو عالم، محسن انسانیت محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معلم انسانیت سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسان پیدا کیا "الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ" اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارواحنا فداہ نے انسانیت سکھائی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے رات بنائی اور اس کی دی ہوئی عقل انسانی نے چراغ پیدا کیے، اللہ تعالیٰ نے کہسار اور ریگستان پیدا کیے اور اس کی مخلوق نے اپنے مالک کی بخشی ہوئی عقل سے باغات اور گلستان چمن اور گلشن بنائے، بعینہ اسی طرح خالق انسان نے اپنے نبی امیؐ کے ذریعہ دنیا کو انسانیت کا اسوہ دیا، جہاں نہ رنگ و نسل کا دخل ہے اور نہ زبان و ثقافت کا اثر ہے، اور نہ جغرافیائی حدود حائل ہیں، اور جہاں انسانی نسل کی تقدیس ہے، جس کا یہ اعلان ہے:

"كلكم من آدم وآدم من تراب لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي ان اكرمكم عند الله أتقاكم". (اے انسانو! تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں، اہل عرب کو غیر اہل عرب پر اور غیر اہل عرب کو عربوں پر بحیثیت انسان ہونے کے کوئی فضیلت نہیں، تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے، جو اللہ سے

زیادہ ڈرنے والا ہے)۔

یہی وجہ ہے کہ روم کے حضرت صہیبؓ، حبش کے حضرت بلالؓ، فارس کے حضرت سلمانؓ، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ اور محبوب افرادامت میں تھے، جب کہ ابولہب اور ابوجہل آپؐ کے قریبی رشتہ دار، ایک ہی خاندان اور قبیلہ کے افراد قبیلہ مضر جو حضورؐ کا قبیلہ ہے، اس کے سرداروں میں جس کا شمار تھا، وہ اسلام کے بدترین دشمن قرار پائے، اس سے معلوم ہوا کہ نسل اور خاندان کا اسلام میں کوئی اعتبار نہیں ہے، حضرت بلالؓ اپنی سیاہ ترین رنگت، موٹے ہونٹ، غلامی میں زندگی بسر کیے ہوئے، اس اہمیت کے حامل سمجھے گئے کہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ آپ کو سیدنا کہہ کر خطاب کرتے تھے، روایتوں میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت بلالؓ نے اذان کہنا چھوڑ دیا تھا، کیونکہ وہ جس وقت "اشہد أن محمدا رسول اللہ" کہا کرتے تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے تھے، اب وہ ذات گرامی جب دنیا سے روپوش ہوگئی تو پھر آپؓ سے برداشت نہیں ہوتا تھا کہ اذان کے الفاظ میں "اشہد أن محمدا رسول اللہ" کہہ کر کس کو مخاطب کریں گے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما ان کی پیشانی چوما کرتے تھے، نامناسب نہ ہوگا اس موقع پر علامہ شبلیؒ کا یہ قطعہ سنادوں جس میں شاعری نہیں، ایک واقعہ کا نظم کیا ہے ؎

بارگاہ نبوی میں جو مؤذن تھے بلال
کرچکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر
جب یہ چاہا کہ مدینہ میں کہیں عقد کریں
جا کے انصار و مہاجر سے کہا بے خوف و خطر
میں غلام حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں
اور سن لو کہ نہیں پاس میرے دولت و زر
ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے
ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر
گردنیں جھک کے یہ کہتی تھیں کہ دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر

اس کے مقابلہ میں ایک حبشی کی مثال بھی لیجیے، جو دو پشت سے کرسچن ہے، اور کرسچن پیدا ہوا، اور کرسچن ماحول میں پرورش پاتا ہے، اور عیسائیت کے خلاف اس نے کسی دین کا نام بھی نہیں سنا، جو اس کی عقیدت وجذبات محبت کا مرکز بھی رہی ہے، جو حضرت سیدنا مسیحؑ کے نام ونہاد ماننے والوں کا دین ہے، مگر کیا وہ جرأت کرسکتا ہے کہ اس چرچ میں جاکر عبادت کرے جہاں صرف گورے جاسکتے ہیں، یہ تو دور کی بات ہے کہ اس کو یورپ کا کوئی مسیحی خاندان اپنا فرزند بنالے، اسی طرح یہودیت کو لیجیے، ایک خاص نسل کے علاوہ کوئی سچا یہودی نہیں ہوسکتا، اور نہ یہودی سوسائٹی میں اس کا کوئی وزن ہوسکتا ہے، جس سرزمین پر آپ موجود ہیں، یہاں کے مذاہب میں کوئی شخص اچھوت خاندان میں پیدا ہوا ہو، وہ کسی برہمن خاندان میں اپنا مقام نہیں حاصل کرسکتا، اسی طرح مشرق بعید میں پھیلے ہوئے مذاہب شنتو، بودھ مت ہر ایک کا جائزہ لیجیے اور دیکھیے کہ بحیثیت انسان کے کسی انسان کو وہ اہمیت دیتے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ مشرق ومغرب، شمال وجنوب کے تمام مذاہب وادیان اخلاقی اور انسانی بنیادوں پر قائم کی ہوئی تحریکوں اور ازم کو دیکھ ڈالیے، اس کے بعد ایک نوعمر بچے سے آپ پوچھیں گے، تو وہ چیلنج کرسکتا ہے، ہم دن کی روشنی میں اور تمدن کی اس دوپہر میں اور عالمی تہذیب کے بڑے بڑے مرکز اور اونچے سے اونچے منبر پر کھڑے ہوکر دریافت کرسکتے ہیں کہ کیا انسان کو پیغمبر انسانیتؐ سے پہلے یا ان کے بعد کسی نے یہ اہمیت دی ہے؟ اور بحیثیت انسان کسی عزت واحترام کا مستحق سمجھا ہے؟ وہ احترام جو سرکار دوعالم ارواحنا فداہ اور ان کے تابعداروں اور خادموں نے اپنے قول وعمل سے دیا ہے، میں اس سے پوچھتا ہوں کہ جو برطانیہ اور امریکہ میں جاکر آباد ہوگئے ہیں، وہاں کی تہذیب کے دلدادہ ہیں، وہاں کے اخلاق کے گن گاتے ہیں اور جب جذبات میں آتے ہیں، تو امریکیوں سے زیادہ امریکی اور انگریزوں سے زیادہ انگریز معلوم ہوتے ہیں، کیا وہ برطانیہ اور امریکہ میں کمانڈر، جنرل کا عہدہ حاصل کرسکتے ہیں؟

مساوات، انسان دوستی، اور حق شناسی کے الفاظ لغت میں ضرور پائے گئے ہیں، لیکن اس کی عملی تجسیم اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر صرف اسلام نے دنیا کو دکھائی اور وہ دولت آج بھی اسی کے دامن رحمت میں مل سکتی ہے۔

ہم آپ خوش قسمت ہیں کہ باوجود اپنی کوتاہیوں اور نارسائیوں کے امت محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ہونے کا شرف رکھتے ہیں، ہم جانتے ہیں کہ آج ہم ہر جگہ پس ماندہ ہیں، سایہ نبوت سے الگ ہوکر اور اسوۂ گرامی کو چھوڑ کر دنیا کی ناکام اور نامراد قوم ہر جگہ اغیار کے دریوزہ گر ہیں، لیکن اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ شوریدہ بخت انسانیت کو، بھولے بھٹکے روندے ہوئے حقوق سے محروم انسان کو اگر کوئی پناہ دے سکتا ہے، اس کی عزت کرسکتا ہے، اسی کے حقوق کی حفاظت کرسکتا ہے، تو وہ صرف اسلام کا نظام اور اسوۂ نبویؐ کا شان ہے۔

☆☆☆☆☆

بصیرت افروز

موجودہ المیہ اور اس کے حقیقی اسباب

مولانا سید محمد الحسنیؒ

امتحانات سے گزر کر منزل تک پہونچنا، قربانیاں دینا اور زندگی کا استحقاق ثابت کرنا ہر زندہ دل اور باشعور قوم کے لیے ایک ایسی شرط ہے، جس کے بغیر وہ دنیا کے نقشہ میں کسی حیثیت سے کوئی اہم اور ممتاز جگہ نہیں بنا سکتی۔

یہ تو ہر قوم کا حال ہے، جس میں کسی مذہب، نسل اور ملک وطن کی قید نہیں، لیکن امت مسلمہ اس عام قانون پر پوری اترنے کے ساتھ دو چیزوں میں دوسری اقوام سے منفرد اور ممتاز ہے۔

ایک تو یہ کہ اس کی زندگی کے نقشہ میں امتحانات اور مشکلات اور قربانیوں وآزمائشوں کو ایک ایسا تقدس حاصل ہے اور ان قربانیوں کے بدلے میں ایسی نعمتیں ملنے والی ہیں کہ جس کے بعد یہ زندگی دشوار اور موت آسان معلوم ہونے لگتی ہے ع

اس نوید جانفزا سے سر وبال دوش ہے

دوسرے یہ کہ ان امتحانات اور آزمائشوں کے پیچھے اسباب وشرائط کا ایک پورا سلسلہ ہے، یہ آزمائشیں اندھے کی لاٹھی نہیں جس میں مجرم اور بے گناہ، قابل سزا اور قابل انعام کسی کی تخصیص نہ ہو، نہ یہ ظاہری حالات کا قدرتی نتیجہ ہیں جن کی کوئی غیر مادی توجیہ ممکن نہ ہو، بلکہ یہ ظاہری حالات بھی قدرت الٰہی کے فیصلہ ومشیت کا نتیجہ ہیں، چنانچہ جب کوئی مومن کسی ابتلاء اور آزمائش سے دوچار ہوتا ہے تو اس کو اس کی فکر وجستجو ہوتی ہے کہ اس ابتلاء ومصیبت کا حقیقی سبب کیا ہے؟ اور اس کو دور کرنے کی کیا تدبیر ہے؟

جہاں تک ان قربانیوں کے تقدس ورفعت کا تعلق ہے اور ان عظیم وعدوں کا تعلق ہے جو مسلمانوں سے اس ضمن میں کیے گئے ہیں، قرآن وحدیث میں جگہ جگہ بہت خاص انداز میں اس کا ذکر ہے، بار بار مختلف اسالیب اور مختلف پیرایوں میں اس کو دہرایا گیا ہے، چنانچہ اہل ایمان کے لیے صاف ارشاد خداوندی ہے:

یہ انداز فکر وہ "شاہ کلید" ہے جس سے زندگی کا ہر قفل کھل سکتا ہے، ایک ایک چیز کے لیے فریاد کرنے، در در پر ہاتھ پھیلانے اور کس وناکس کی خوشامد کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنے ایمان، اپنے اخلاص، اپنے عمل اور اپنی قربانی سے اس خدا کو راضی کرنے کی فکر کی جائے جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور جس کے حقیقی نام لیواؤں اور جس کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ادنیٰ غلاموں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت اور حکومتیں ان کے سامنے مٹی کے گھروندوں اور سنگریزوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

"وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ." [سورہ بقرہ] (اور ہم تمہارا امتحان کریں گے، کسی قدر خوف اور فاقہ سے اور مال وجان اور پھلوں کی کمی سے اور آپ ایسے صابرین سے بشارت سنا دیجئے جن کی یہ عادت ہے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب دنیا سے اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں، ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی پروردگار کی طرف سے ہوں گی اور عام رحمت بھی ہوگی اور یہی لوگ ہیں جن کی (حقیقت حال تک) رسائی ہوگی)۔

اس آیت کریمہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امتحانات کی یہ تمام قسمیں، مسلمانوں کی ترقی اور رفع درجات نیز کھرے اور کھوٹے کی تفریق کے لیے ضروری ہیں، اس کے لیے بشارت ان صبر کرنے والوں کو دی گئی ہے جو ہر مصیبت کے وقت خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں، صبر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صبر کرکے گھر بیٹھ رہا جائے یا یہ کہ انا للہ پڑھ کر سر سے بوجھ اتار لیا جائے یا ماتم اور نوحہ خوانی شروع کر دی جائے بلکہ صابرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایسے نازک موقع پر کوئی حرف شکایت زبان پر نہیں لاتے، نہ اپنی قسمت کا ماتم کرتے ہیں، نہ زمانہ کا شکوہ، نہ دوسروں کو الزام دے کر اپنے کو بے قصور سمجھتے ہیں بلکہ استقامت اور پامردی کا ثبوت دیتے ہوئے خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں، اپنا

ایمان ویقین ازسرنوتازہ کرتے ہیں، اپنی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اس میں کیا خامیاں ہیں جن کو دور کرنے کی ضرورت ہے، کیا داغ دھبے ہیں جن کو احساس ندامت کے آنسوؤں سے پاک کرنے کی ضرورت ہے، وہ کیا ایسے برے اعمال اور بری عادتیں ہیں جو خدا کو ناراض کرنے والی اور اس کی نگاہ رحمت کے لیے حجاب بن رہی ہیں، ان مصائب ومشکلات کا حل ان کے نزدیک صرف انابت الی اللہ اور پھر اس انابت پر استقامت ہے اور بس۔

قرآن مجید کا ارشاد ہے:

"أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ". [سورہ عنکبوت] (بعض مسلمان جو کفار کی ایذاؤں سے گھبرا جاتے ہیں تو کیا ان لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ اتنا کہنے پر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا اور ہم تو ان لوگوں کو بھی آزما چکے ہیں جو ان سے پہلے گزرے ہیں، سو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور جھوٹوں کو بھی جان کر رہے گا)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: "إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ". [سورہ توبہ] (بے شک اللہ تعالیٰ نے خرید لیا ہے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس کے بدلے میں کہ ان کے لیے جنت ہے)۔

جان ومال کا سودا جنت کے بدلے میں پہلے ہی ہو چکا ہے، اب اگر مال کا نقصان ہوتا ہے یا جان جاتی ہے تو شکوہ کیسا؟ اس جنت کے مقابلے میں اور اس سے بڑھ کر خدا کی رضا کے مقابلے میں ہمارے حقیر جان ومال کی کیا قیمت ہو سکتی ہے، یہ کوئی معمولی سودا نہیں بہت بڑا سودا ہے، اس میں زیاں کا کوئی سوال اور نقصان کا کوئی امکان نہیں۔

حدیث میں آیا ہے: "الا ان سلعة الله غالية الا ان سلعة الله الجنة"۔ (یاد رکھو خدا کی پونجی بہت قیمتی ہے، یاد رکھو خدا کی پونجی جنت ہے)۔

یہ آزمائشوں اور قربانیوں کا وہ تصور بلکہ صحیح الفاظ میں مژدہ ہے، جس نے امت مسلمہ کے لیے اس کی تاریخ کے ہر دور میں جینا مشکل اور مرنا آسان کر دیا اور زندگی کی دلفریبیوں کو اس کے لیے بے کیف وبے مزہ بنا دیا اور قرن اول سے لے کر سید احمد شہیدؒ کے مجاہدین اور ان کے بعد کے لوگوں کے ساتھ بھی ایسے ایمان افروز اور حیرت انگیز واقعات پیش آئے جن کی محض یاد اور تذکرہ سے بھی ایمان کی حرارت بڑھتی اور دل کی آنچ ہونے لگتی ہے۔

دوسرا پہلو

دوسرا اور نہایت اہم پہلو یہ ہے کہ ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ آزمائشیں کیوں پیش آتی ہیں اور یہ مصیبتیں کیوں نازل ہوتی ہیں؟ قرآن مجید کا صاف اعلان ہے: "وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ"۔ (ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں) یہ دراصل ان باطنی اور حقیقی اسباب کی طرف اشارہ ہے جو ظاہر پرست یا ظاہر بین انسانوں کو نظر نہیں آتے اور وہ اس کا علاج ان سطحی، وقتی اور جزئی چیزوں سے کرنا چاہتے ہیں جو بعض اوقات ان کے لیے مزید دردسر کا سامان پیدا کر دیتی ہیں اور مصیبت بالائے مصیبت بن جاتی ہے، وہ ظاہری اور مادی اسباب کے جال میں اس طرح گرفتار ہیں کہ خالق اسباب کی طرف ان کی نظر ہی نہیں جاتی، حالانکہ قرآن مجید کی صرف یہی ایک آیت ہم کو لرزا دینے کے لیے کافی ہے: "أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ"۔ [التوبة] (کیا ان کو دکھلائی نہیں دیتا کہ یہ لوگ ہر سال میں ایک بار دو بار کسی نہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں مگر پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں)۔

سب علاج برحق اور اپنی اپنی جگہ صحیح ہو سکتے ہیں، احساس وشعور کی بیداری بھی ضروری ہے، احتجاج اور اظہار کرب بھی بالکل قدرتی اور زندگی کی علامت ہے، مظلوموں کی امداد اور غم خواری بھی بلا شبہ ایک ضروری فریضہ اور وقت کا فوری تقاضہ ہے، موثر ترجمانی اور اظہار حقیقت کے لیے ایک طاقتور پریس بھی ملت کی ناگزیر ضرورت ہے اور "أَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ" میں داخل ہے لیکن کیا اس سے مسئلہ بنیادی طور پر حل ہو سکتا ہے اور ہمیشہ کے لیے امن قائم ہو سکتا ہے؟

موجودہ المیہ اپنی اس دردناکی کے پیش نظر جس کی زندہ شہادت ان بے گناہوں کا خون ہے جو غنڈہ گردی اور بہیمانہ تشدد کا شکار ہوئے، اور جس کی بولتی ہوئی تصویر وہ ہزاروں خانماں برباد انسان ہیں کہ جن کے گھر ویران اور بے چراغ ہیں اور جن کو اس وقت ایک وقت کا کھانا اور سردی سے بچنے کے لیے کپڑا بھی نصیب نہیں، عملی امداد کا طالب ہے اور ہنگامی حل چاہتا ہے، لیکن ان سب چیزوں کے باوجود یہ بات اسی وقت سوچنے کی اور اسی وقت کہنے کی ہے کہ کیا ان سب کو کھانا اور کپڑا فراہم کر دینے سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا، کیا خدا کی یہی مرضی اور مشیت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہلاکت ومصیبت اور فقر وفاقہ میں مبتلا کر دیا کرے، پھر لوگ ان کی تکفین وتدفین کا انتظام کر دیا کریں یا ان کے

کھانے کپڑے کا بندوبست کر کے اپنے آنسو پوچھ ڈالا کریں، حاشا وکلا، تعالیٰ اللہ عن ذلک علواً کبیراً!

اس بے معنی کھیل اور ظلم سے خدا کی پاک ذات بہت بلند ہے، بات صرف اتنی نہیں ہے اس سے بہت زیادہ ہے، اگر آزادی کے بعد یہ پہلا واقعہ ہوتا تب بھی اس کو کسی امر اتفاقی یا کسی ظاہری سبب کا فوری نتیجہ نہیں کہا جا سکتا تھا چہ جائیکہ یہ متواتر واقعات جو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے برابر پیش آتے رہتے ہیں، تقسیم کے وقت سے لے کر اس وقت تک ہندوستان کے مسلمان نہ جانے کتنی بار آزمائشوں میں ڈالے گئے، کتنی مرتبہ ان کو تنبیہ کی گئی، ان کو جھنجھوڑا گیا، ان کو نشتر دیے گئے، ان پر عمل جراحی ہوا، لیکن عجیب بات ہے کہ ہمیشہ انھوں نے وقتی مرہم پٹی، آہ وبکا اور شکوہ شکایت کو کافی سمجھا اور کبھی سنجیدگی سے 'من حیث القوم' یہ نہ سوچا کہ ان آزمائشوں کو لانے والا تو بہرحال خدا ہی ہے، اس کی کتاب محفوظ اور اس کی شریعت اور اس کے نبی کی پوری زندگی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے، کیا اس نے ان مصیبتوں اور آزمائشوں کے لیے کوئی حل تجویز کیا ہے اور اس کے اسباب ہم کو بتائے ہیں؟ کیا ہم نے ان واقعات کے بعد کبھی یہ سوچا ہے کہ اس کو راضی کرنے کی کوشش کیوں نہ کریں جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی باگ ڈور ہے اور جس کے دست قدرت میں آسمان وزمین کی وسعتیں اور ساری دنیا کی طاقتیں ہیں اور جس کو راضی کرنے سے نہ صرف دنیا میں عزت وسربلندی اور سکون واطمینان حاصل ہو سکتا ہے بلکہ آخرت کی غیر فانی زندگی اور لازوال نعمتیں بھی مل سکتی ہیں جہاں آدمی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔

ہمارا رویہ

ہم نے حکومت پر نظر ڈالی، کلکٹروں اور مجسٹریٹوں اور پولیس کے آدمیوں تک سے امید لگائی، ہم نے اکثریت کی طرف بھی ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھا، اور فرقہ پرست جماعتوں کے نعروں سے خوف زدہ بھی ہوئے، کبھی اپنے پڑوسی ملک کی طرف دیکھا، اور کبھی ہم نے ہندوؤں کے صاف دل اور انصاف پسند طبقہ سے آس لگائی، کبھی دستور ہند کی ضمانت چاہی اور اس کی دفعات کے گن گائے اور کبھی اس سے بھی زیادہ بے حقیقت اور کمزور واسطوں کا سہارا لیا، لیکن کیا کبھی ہم نے کتاب اللہ کی بھی ضمانت چاہی، کبھی ہم نے اپنے عمل سے اس کا بھی مظاہرہ کیا کہ ہم اس ملک میں خدا کے پیغام کو پھیلانے اور اس کے دین کی اشاعت وتبلیغ کے لیے بستے ہیں اور پوری روئے زمین اور اس سرزمین پر اس لحاظ سے ہمارا سب سے بڑا حق ہے اور وہ حق اور طاقت خدا کی طرف سے ملے گی، کسی جماعت یا کسی حکومت کی طرف سے نہیں، کیا ہم نے خدا پر اتنا بھی اعتماد کیا جتنا اعتماد ہم اس کی پیدا کی ہوئی چیزوں اور اس کے پیدا کردہ وسائل وذرائع پر کرتے ہیں۔

کتاب اللہ کی ضمانت

ہم بہت بلند آواز اور بہت بے خوفی کے ساتھ پبلک میں کہتے ہیں کہ ہمیں ڈرنے کی کیا ضرورت، دستور ہند میں سب کو برابر حقوق دیے گئے ہیں اور ہم بھی اس میں پورے حصہ دار ہیں لیکن کتنی بار اور کتنے پبلک جلسوں اور کتنی تقریروں میں ہم نے یہ کہا کہ کتاب اللہ نے ہم کو یہ حقوق دیے ہیں اور ان کو دنیا کی کوئی طاقت چھین نہیں سکتی، اس کی وجہ صرف ہمارے دل کا چور ہے، ہماری وہ بنیاد ہی بے حد کمزور ہے، جس پر ان حقوق کی ضمانت کی گئی ہے، وہ بنیاد ہے خدا کے وعدوں پر سچا یقین، خدا پر مکمل اعتماد اور بھروسہ، خدا کے راستہ میں جان ومال کی قربانی کا جذبہ اور زندگی کے ہر شعبہ میں خدا کی مکمل پیروی واطاعت کا فیصلہ!

خدا پر مکمل بھروسہ

اس لحاظ سے دیکھیے تو صاف نظر آئے گا کہ ہم ان شرطوں میں سے کوئی شرط بھی پوری نہیں کر رہے ہیں جن پر امن واطمینان اور عزت وبلندی کی ضمانت ہے، جہاں تک خدا کے وعدوں پر سچے یقین اور خدا پر مکمل اعتماد کا تعلق ہے، اس کا حال ہم سب کو خوب معلوم ہے، چار چھ آنے کے نسخے پر ہم کو جو یقین ہے دعا پر اس کا عشر عشیر بھی نہیں، جتنا اعتماد اور بھروسہ ہم کو اپنی ملازمت، تجارت اور بزنس پر ہے، اتنا اعتماد ہم اللہ تعالیٰ کی رزاقیت اور اس کی رحمت پر بھی نہیں، ہم اخبار پر یقین کر سکتے ہیں جن کی مبالغہ آرائیوں اور ناانصافیوں بلکہ غلط بیانیوں کا تجربہ ہم کو برابر ہوتا رہتا ہے، ڈاکٹروں اور حکیموں پر اعتماد کر سکتے ہیں جن کی تشخیص اور تجویز کردہ دواؤں میں اکثر اختلاف ہوتا ہے، ہم عطائیوں بلکہ راہ گیروں کی بات بھی توجہ اور سنجیدگی سے سن سکتے ہیں اور اس کا یقین بھی کر سکتے ہیں لیکن جس چیز پر ہمارا اعتماد روز بروز کمزور اور مضمحل ہوتا جا رہا ہے وہ خدا کے وعدے اور اس کی شرائط پوری کرنے کے نتائج ہیں، ہم میں سے کتنے ہیں جن کے تحت الشعور میں یہ ہے کہ اگر فلاں شخص یا فلاں جماعت نہ ہوگی تو ہمارے لیے کتنی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی، فلاں حلقہ، برادری یا جماعت ناخوش ہو جائیگی تو ساری عزت ونیک نامی جاتی رہے گی، فلاں افسر اور حاکم ناراض ہو جائے گا تو نعوذ باللہ رزق کے دروازے بند ہو جائیں گے اور مستقبل تاریک ہو جائے گا، شاعر نے شاید اسی صورت کو پیش نظر

رکھ کر کہا تھا:

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نا امیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

جان و مال کی قربانی

جہاں تک خدا کے راستہ میں جان و مال کی قربانی کا مسئلہ ہے تو جان کی منزل تو بہت بعد کی چیز ہے، مال کی قربانی کے ساتھ مسلمانوں کا معاملہ اس نازک دور میں وہ ہے جو حق تو یہ ہے کہ جان کے ساتھ بھی روا نہ تھا، اس مشکل اور نازک دور میں جب کہ دینی مدارس کے وجود و بقاء کو سخت حالات کا سامنا ہے جبکہ مسلمان بچوں کی تعلیم کا مسئلہ انتہائی اہمیت اختیار کر چکا ہے اور اس کے خطرناک اور تکلیف دہ نتائج سامنے آنے لگے ہیں، جبکہ مسلمانوں کی آواز کو بلند کرنے، زیادہ مؤثر بنانے اور ان کی صحیح ترجمانی اور بروقت رہنمائی کے لیے ایک طاقتور پریس اور اشاعتی ادارہ ایک ایسی ضرورت بن چکی ہے جس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا، جبکہ مسلمان کا ایک بہت بڑا طبقہ غربت کا شکار ہے، اور کتنے یتیم بچے، کتنی بیوائیں اور کتنے بے روزگار بے یار و مددگار ہیں اور کتنے بے زر اور بے زبان لیکن صاحب ضمیر اور صاحب غیرت شریفانہ اعانت کے محتاج ہیں، ایسے نازک دور میں مال کے ساتھ ہم مسلمانوں نے جو معاملہ کیا اس کو بے حسی یا ذاتی نفع اور ذاتی آسائش کو دینی خدمت اور خدا کے راستہ میں انفاق پر ترجیح کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکتا۔

یہ کہنا کہ مسلمان اقتصادی طور پر کمزور ہو گئے ہیں، صحیح ہوگا لیکن اگر مسلمانوں میں سے ہر شخص نظام حیدر آباد بن جائے، اور اس میں خدا کے لیے مال خرچ کرنے کا جذبہ ہی نہ ہو تو پھر یہ دولت نہ اس کے کچھ کام آئے گی نہ مسلمانوں کے! اس سے قطع نظر اس اقتصادی کمزوری کی حالت میں بھی ایسے اہل ثروت مسلمان موجود ہیں جن میں سے ایک ایک شخص تنہا دیوبند چلا سکتا ہے، ندوہ چلا سکتا ہے، مظاہر علوم چلا سکتا ہے، ہم میں سے ایسے لوگ موجود ہیں جو تنہا انگریزی اخبار کے پورے مصارف برداشت کر سکتے ہیں، مکاتب کا جال بچھا سکتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان تمام کاموں میں آج جو زحمتیں اور دشواریاں پیش آ رہی ہیں، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کا ان کاموں سے کچھ عملی تعلق ہے، دوسری طرف اپنی ذات اور اپنے گھر کے چند افراد پر، رسوم و تقریبات پر، اور مختصر یہ کہ اپنی ذاتی آسائش یا شہرت و ناموری کے لیے جس بے دردی اور بے عقلی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے وہ کوئی ایسی بات نہیں جس کے لیے دلیل کی ضرورت ہو، لیکن جب خدا کی گرفت ہوتی ہے تو یہ ساری دولت اس طرح چھن جاتی ہے کہ حسرت و افسوس کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا اور افسوس یہ ہے کہ اب حسرت بھی نہیں ہوتی، سوچنے کی بات یہ ہے کہ کہیں خدا کو مال کے ساتھ ہمارا یہ معاملہ پسند نہ آیا ہو اور یہ ہمارے لیے ایک تنبیہ ہو؟

انداز فکر کی تبدیلی

ایک دوسری چیز جس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ قرن اول اور اس کے بعد کی صدیوں میں بھی مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ کوئی بڑا اقدام کرنے سے پہلے یا کسی غیر معمولی واقعہ اور نازک حالات میں جن میں مسلمانوں کے لیے بظاہر خطرہ نظر آتا، وہ پہلے اپنی طرف سے اطمینان کر لیتے پھر اس کے بعد گرد و پیش کا جائزہ لیتے، وہ یہ دیکھتے تھے کہ ہم میں معصیت تو عام نہیں ہو گئی ہے، ہماری صفوں میں اختلاف و انتشار تو عام نہیں، ہمارے اندر حرص و طمع اور دنیا کی محبت تو پیدا نہیں ہو گئی ہے، اس طرف سے اطمینان ہو جاتا تھا تو ان کا تردد دور ہو جاتا تھا اور وہ محسوس کر لیتے تھے کہ: "اذن لا یضیعنا" یعنی پھر اللہ تعالیٰ ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔

یہ انداز فکر وہ "شاہ کلید" ہے جس سے زندگی کا ہر قفل کھل سکتا ہے، ایک ایک چیز کے لیے فریاد کرنے در در پر ہاتھ پھیلانے اور کس و ناکس کی خوشامد کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اپنے ایمان، اپنے اخلاص، اپنے عمل اور اپنی قربانی سے اس خدا کو راضی کرنے کی فکر کی جائے جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور جس کے حقیقی نام لیواؤں اور جس کے نبیؐ کے ادنیٰ غلاموں کا یہ حال ہے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی سلطنت اور حکومتیں ان کے سامنے مٹی کے گھروندوں اور سنگریزوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

مسلمانوں کا طرز عمل اب تک یہ رہا ہے کہ جب کبھی کوئی فساد ہوتا ہے تو وہ اس کو ایک وقتی مسئلہ سمجھ کر مختلف طریقوں اور راستوں سے حل کرنا چاہتے ہیں، بلا شبہ مسلمانوں میں صحیح شعور پیدا کرنے اور ان کی آواز کو مؤثر بنانے کے لیے اس قسم کے کاموں کی ضرورت روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور حالات کا تقاضہ بھی یہ ہے کہ اب بلا کسی تردد اور انتظار کے ان میں قوت اور تیزی پیدا کی جائے لیکن نقطۂ نظر اور انداز فکر کی اس مرکزی تبدیلی کے بغیر جس کی طرف گزشتہ سطور میں اشارہ کیا گیا ہے، اس طرح کی کوئی کوشش دیرپا اور فائدہ مند نہ ہوگی اور اس سے کوئی اہم نتیجہ برآمد نہ ہوگا، اس لیے سب سے زیادہ اسی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اور یہی مسئلہ کا حقیقی حل ہے۔

☆☆☆☆☆

عملی اسوہ

داخلی دشمن، خارجی دشمن سے زیادہ خطرناک

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

عموماً انسان کی یہ عادت اور خصلت رہی ہے کہ وہ اپنے دشمن کو اپنے وجود سے باہر کی دنیا میں تلاش کرتا ہے اور اسے اپنے اندرون میں موجود اور اپنے سر پر سوار رہنے والا خطرناک دشمن نظر نہیں آتا، یقیناً شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً، وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ، اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ". [بقرہ/۱۶۸]

(اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ". [یوسف/۵] (شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے)۔

چونکہ شیطان غیر مرئی مخلوق ہے، اس لیے حقیقتاً اس کا کوئی ظاہری اور محسوس وجود نہیں ہے، بلکہ وہ تو اس قدر لطیف ہے کہ انسان کے خون میں دوڑتا ہے اور اس کے ہر طرح کے برے اعمال کو بنا سنوار کر اس کے سامنے پیش کرتا ہے، اور کفر و شرک اور آداب انسانی کے قوانین کی خلاف ورزی کرنے پر آمادہ کرتا ہے، جب بے چارہ انسان اس کے حکم کا اتباع کر لیتا ہے اور گناہوں و منکرات میں گرفتار ہو جاتا ہے تو وہی شیطان انسان سے دستبردار ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تم سے بریٔ الذمہ ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں، ارشاد باری ہے:

"کَمَثَلِ الشَّیْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اکْفُرْ، فَلَمَّا کَفَرَ قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْکَ، اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ". [حشر/۱۶] (شیطان کی طرح کہ اس نے انسان سے کہا کہ کفر کر، جب وہ کفر کر چکا تو کہنے لگا میں تو تجھ سے بری ہوں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں)۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

شیطان تو انسان کے رگ و ریشہ میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔ [بخاری/۲۵۳۵]

کچھ ایسا ہی معاملہ ابلیس کا انسان کے ساتھ ہے جو اسے نافرمانیوں پر ابھارتا ہے، مال و زر اور جاہ و منصب کا لالچ دلاتا ہے، پھر انہیں جادۂ حق سے پھسلا دیتا ہے اور جب وہ اس کی دسیسہ کاریوں اور پرفریب وعدوں پر اعتماد کر بیٹھتا ہے تو اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ یہی چیز اس میں صبر و ثبات، ایمان و یقین اور صراط مستقیم اختیار کرنے کے خلاف شدید ردعمل پیدا کر دیتی ہے، ایسے موقع پر وہ اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ جانوروں جیسی عادتوں کو اختیار کر لے، چنانچہ وہ جانوروں کی طرح کھاتا پیتا ہے، شیطانوں کی مانند خوشی سے اتراتا پھرتا ہے اور ان کفار و مشرکین کی طرح گدلے پانی میں اللہ کے بندوں کا شکار کرتا ہے جنھوں نے ان پر زمین کو تنگ کر دیا تھا اور انسانی قدروں کو یکسر فراموش کر کے ہر طرح کے کذب و افترا کے تیروں سے ان کو نشانہ بنایا تھا، یہاں تک کہ ان کا انجام بہت برا ہوا اور ان پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول منطبق ہوتا ہے:

"لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا، وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا، وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا، اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ، اُولٰٓئِکَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ". [اعراف/۱۷۹]

(ان کے دل ایسے ہیں جن سے نہیں سمجھتے، اور ان کی آنکھیں ایسی ہیں جن سے نہیں دیکھتے، اور ان کے کان ایسے ہیں جن سے نہیں سنتے، یہ لوگ چوپایوں کی طرح ہیں، بلکہ یہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں، یہی لوگ غافل ہیں)۔

بنی نوع انساں کی اس جماعت پر، جو تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے، ساتویں صدی ہجری کے جلیل القدر عالم اور عارف باللہ شیخ جلال الدین رومی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے جو انھوں نے پستی میں جا گرے انسان کے تعلق سے فرمایا تھا:

"وہ انسانوں کی سی شکل و شباہت رکھنے والے ہیں، وہ انسان نہیں بلکہ نفس کے غلام اور شہوتوں کے پجاری ہیں، وہ شکم سیری، سیرابی اور شہوت جیسی بہیمانہ خصلت کے رسیا ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر روٹی کی حکمرانی چلتی ہے اور شہوتوں نے ان کے ضمیر کو مردہ کر دیا ہے"۔

مولانا رومی نے اپنے دیوان میں اسی تعلق سے ایک لطیف واقعہ نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"گذشتہ رات میں نے ایک عمر دراز شخص کو مشعل لیے شہر کا چکر لگاتے ہوئے دیکھا، جیسے اسے کسی چیز کی تلاش ہو، میں نے دریافت کیا: جناب والا! آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں؟ اس نے کہا: میں درندوں اور چوپایوں کی زندگی سے اکتا گیا ہوں اور

بالکل تنگ آچکا ہوں، میں ایک عظیم انسان اور جری و دلیر شیر کی تلاش میں نکلا ہوں، میرا دل ان کاہلوں اور بونوں سے تنگ آگیا ہے جنھیں میں اپنے اردگرد پاتا ہوں، میں نے کہا: جس کو آپ تلاش کررہے ہیں اسے پانا مشکل ہے، کیونکہ میں نے خود اسے ایک عرصہ تک تلاش کیا لیکن کامیاب نہ ہوسکا، اس نے کہا: میں ایسی ہی چیز کے تلاش کرنے کا شیدائی ہوں جو آسانی سے حاصل نہ ہوتی ہو"۔

اس واقعہ سے اگر ساتویں صدی ہجری کی انسانی صورتحال کی تصویر کشی ہوتی ہے تو پندرہویں صدی ہجری کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جبکہ انسان نے اخلاقی قدروں کو فراموش کردیا ہے اور شیطان اپنی تمام ترفریب کاریوں کے ساتھ اس کے دل و دماغ پر چھا گیا ہے، اور خیر و بھلائی، اطاعت وفرمانبرداری اور احسان شناسی کے ان تمام راستوں کو بند کردیا ہے جن سے اسلام نے ہم کو روشناس کرایا اور ہمیں فکری آلودگیوں اور اخلاقی بیماریوں سے نکالا، اور ہمیں ان لوگوں کی صف میں لا کھڑا کیا، جنھوں نے ایمان وعقیدہ اور اطاعت و فرمانبرداری کی ایک عمدہ مثال قائم کی، اور عالم انسانیت کو زندگی کے انسانی طریقہ سے نوازا اور ان کو احترام نفس، سعادت انسانیت اور اس عظیم الشان امانت کے اعلی مقاصد کی ایک نئی دنیا تشکیل دینے کی توفیق ملی، جس کو اللہ نے آسمان وزمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا لیکن انھوں نے اس کی عظمت کی وجہ سے یہ ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کردیا اور معذرت پیش کردی، انسان ہی اس امانت کو اٹھانے کا زیادہ سزاوار تھا، لہٰذا اس نے اللہ تعالی کے محض ایک اشارہ پر اس امانت کی ذمہ داری کو اپنے سر لے لیا اور اس کی وجہ سے مستقبل سے غافل اور انجام سے بے خبر رہا، گویا وہ اس ذمہ داری کی عظمت سے ناواقف تھا اور اسے قبول کرکے خود پر ظلم کیا، ارشاد باری تعالی ہے:

"إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْأَرْضِ وَالْجِبَالِ، فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا، وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ، إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا". [أحزاب/۷۲]

(ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں پر زمین پر اور پہاڑوں پر پیش کیا، لیکن سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کردیا اور ڈر گئے، مگر انسان نے اسے اٹھالیا وہ بڑا ہی ظالم وجاہل ہے)۔

یہیں سے دو قسم کے انسانوں کی تصویر نظر آتی ہے، ایک شخص وہ ہے جو اپنے اندر کے دشمن کی پرورش کرتا ہے، اسے اچھی غذا فراہم کرتا ہے، توانا و طاقت ور بناتا ہے، اور اسے اس کا احساس تک نہیں ہوتا کہ اس کا دشمن خود اس کے اندر جاگزیں ہے جہاں سے وہ اس کے تمام اعصاب پر غالب آجاتا ہے، لہٰذا اس سے صادر ہونے والا ہر عمل اسی دشمن کے وسوسہ کا نتیجہ ہوا کرتا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جو جانتا ہے کہ شیطان کو اپنی سرگرمیوں میں بڑی چابکدستی اور مہارت حاصل ہے، وہی بنیادی فرائض اور اسلام کی مقرر کردہ حدود و قیود کی پامالی کے راستہ کو ہموار کرتا ہے، اس کا نتیجہ فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی، اکرام مسلم سے لاپرواہی، حقوق کی پامالی کی شکل میں نظر آتا ہے اور انسان کو ہر طرح کی برائی میں مبتلا کردیتا ہے۔ جس سے انسان کا راستہ ایمان وعقیدہ، طاعت وفرمانبرداری اور خیر و بھلائی کے مقابلہ میں خواہشات نفس سے زیادہ قریب ہوجاتا ہے، لہٰذا لوگ اس کے شرور وفتن سے محفوظ نہیں رہتے ہیں۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں، اور حقیقی مہاجر وہ ہے جو منہیات سے گریزاں رہے، اور فرمایا: جو دنیا میں دو رُخا ہوگا، قیامت میں اس کی آگ کی دو زبانیں ہوں گی، ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ ایک لحیم وشحیم آدمی کا آپ ؐ کے پاس سے گزر ہوا، آپ نے فرمایا کہ یہ انہیں میں ہے، اور ایک دوسری حدیث میں وارد ہوا ہے: منافق کی تین علامتیں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے، مزید ایک چوتھی علامت ہے کہ جب جھگڑا کرے تو گالی دے۔

مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ کا سرسری طور پر جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ کن برائیوں، بغض وحسد اور دوسرے کے حقوق سے غفلت کی حالت میں زندگی بسر کررہے ہیں، یہ صرف عوام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ ہمارے اصحاب علم وفضل اور ان جماعتوں کے کارکنان بھی اس کی زد میں ہیں جو خود کو دعوت وارشاد اور اللہ کے راستہ کا سپاہی تصور کرتے ہیں، اس بیماری کے نتیجہ میں ان کے اندر بہت سے اخلاقی امراض پیدا ہوگئے ہیں، آج مسلمان جس اختلاف وعداوت اور گروہ بندی کا شکار ہیں وہی بہت ہے، لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ ایمانی اخوت بھی باقی نہیں رہی، ہر شخص ایک دوسرے سے بلاکسی شرعی جواز کے محض بغض وحسد کی بنیاد پر اختلاف کرتا ہے اور یہ اختلاف اتنا شدید ہوتا ہے کہ پہلے تو رنجش اور کشاکشی کا باعث بنتا ہے پھر دونوں کے درمیان ایک گہری خلیج پیدا کردیتا ہے اور یہ تفریق آخری درجہ کو پہونچ جاتی ہے اور لاانتہاہی امراض کو جنم دیتی ہے اور ہمارے معاشرہ میں یہ سب کچھ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے امت مسلمہ کو آج طرح طرح کی ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔

ہماری بڑی تمنا ہے کہ مسلمانوں کے خواص کے درمیان ایک پختہ اور مضبوط وحدت پیدا ہوجائے، پھر اس کا اثر عام مسلمانوں کی طرف منتقل ہو، اس کے بعد ان لوگوں تک پہنچے جو اسلام کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں اور صورتحال کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم اپنے تمام اقوال وافعال کا ایک بلند وبہترین نمونہ پیش کریں جسے دیکھنے کے لیے لوگ بے صبری سے انتظار کررہے ہیں:

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ، كَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ". [صف/۳] (اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں، اور تم جو کرتے نہیں، اس کا کہنا اللہ تعالی کو سخت ناپسند ہے)۔

طبقہ خواص میں بعضے ایسے بھی ہیں جن کی اخلاقی تربیت نہیں ہوسکی، اور دینی تعلیم کا وافر حصہ نہیں ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی پرورش اور نشوونما آزادانہ طور پر ہوئی اور اخلاقی قدروں میں پختگی حاصل نہ ہوسکی اور زندگی میں ایک مسلمان کی ذمہ داریوں کو وہ نہ سمجھ سکے، لہٰذا یہ طبقہ بلاکسی وجہ جواز کے غیظ وغضب کی آگ میں جل رہا ہے، اسلامی آداب واخلاق پر مشتعل ہے اور اعلیٰ اقدار و روایات کو ملیامیٹ کررہا ہے اور معاشرہ میں فساد کا باعث اور اس کا تخریبی عنصر بن گیا ہے جیسا کہ بہت سی جگہوں میں ایسی مثال موجود ہے کہ لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے والا کوئی عمل نہیں کرپاتے، درحقیقت ان کے ضمیر مرچکے ہیں یا انھوں نے چند سکوں اور ٹھیکروں کے عوض اسے بیچ دیا ہے اور آخرت کی فکر اور اللہ کے سامنے حساب وکتاب کا تصور ان کے دلوں سے ختم ہوگیا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا:

وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً. [کہف/۱۰۴]

(وہ سمجھتے ہیں کہ بہت اچھا کررہے ہیں)۔

اور فرمایا: "وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ". [أنفال/۷۳] (کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ملک میں فتنہ ہوگا اور زبردست فساد برپا ہوجائے گا)۔

تو کیا اس مہلک مرض کا کوئی علاج ہے یا پھر اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے کہ پورا انسانی معاشرہ اس کا شکار ہوجائے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسىٰ فَبَرَّأَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهاً". [أحزاب/۶۹] (اے ایمان والو! ان لوگوں جیسے نہ بن جاؤ جنھوں نے موسیٰ کو تکلیف دی، پس جو بات انہوں نے کہی تھی (یعنی جو عیب نکالا تھا) اللہ نے انہیں اس سے بری فرمادیا اور وہ اللہ کے نزدیک باعزت تھے)۔

☆☆☆☆☆

عظیم الشان پیش کش

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء

(۵ جلدیں)

از امام محدث شاہ ولی اللہ دہلویؒ

ازالۃ الخفاء کا مقام ومرتبہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں، یہ خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین کے موضوع پر شاہکار کا درجہ رکھتی ہے، فارسی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس کی شہرت اور افادیت کا دائرہ عالم عربی کے حدود تک وسیع نہ ہو سکا، جب کہ علمائے ہند کی بڑی آرزو تھی کہ اس کو عربی کے قالب میں ڈھال کر طباعت سے آراستہ کیا جائے، مقام مسرت ہے کہ بانی وسرپرست جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی سرپرستی میں کتاب کی تعریب، تحقیق، تخریج کا عظیم عمل پایہ تکمیل کو پہنچا، اور علمائے ہند کا ایک خواب اور آرزو شرمندہ تعبیر ہوا۔

اس پر ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور جنرل سکریٹری رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی کے مقدمات ہیں۔

مناسب اور رعایتی قیمت پر اس کے حصول کے لیے مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کیا جاسکتا ہے:

☆ مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی
جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ، یوپی

☆ نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند، یوپی

برائے رابطہ 9450876465,9044205786

(فکر معاصر)

عالم اسلام کی موجودہ صورت حال

اور مغرب کا متضاد موقف

تحریر: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی — ترجمہ: محمد وثیق ندوی

گزشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی میں عالم اسلام کے ان ملکوں میں بیداری کے آثار ظاہر ہوئے جنہوں نے مغربی سامراج سے سیاسی طور پر آزادی حاصل کرلی تھی، لیکن ذہنی، فکری اور تہذیبی طور پر مغرب کے تابع اور غلام بنے رہے، ان آزاد ملکوں کی قوموں کو یہ احساس ہوگیا تھا کہ ان کی سیاسی قیادت زندگی کے مسائل کے حل میں ناکام ہوچکی ہے اور ناکامی کا یہ احساس اس وقت اور زیادہ بڑھ گیا جب مغرب نواز حکمراں علاقائی سلامتی اور قومی وحدت کی حفاظت میں ناکام ہوگئے، اس کے بعد ۱۹۶۷ء کی جنگ میں انقلابی اور فوجی قائدین کی ناکامی نے اس احساس کو یقین میں بدل دیا، جنہوں نے اپنے زمانہ اقتدار میں صرف اپنے مخالفین کو ختم کرنے اور مغربی افکار خصوصاً اشتراکیت کو عالم اسلام میں نافذ کرنے کی کوشش کی، اسلام پسندوں، داعیوں اور مصلحین کو یا تو جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا یا ان کا صفایا کردیا، مغرب کی بھرپور تائید کی، معیشت، سیاست اور نظام تعلیم وتربیت میں مغرب کی کورانہ تقلید کی اور مغربی منصوبہ کے تحت مسلم قوموں کی اسلامی شناخت، ان کے دینی تشخص، دین سے محبت وتعلق، دینی حمیت وغیرت اور اسلامی شعائر و مقدسات کی حفاظت کے جذبہ کو ختم کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔

مسلمانوں کی یہ بیداری فطری تھی، مشہور مستشرق ولفریڈ کانٹویل اسمتھ (۱۹۱۶ء-۲۰۰۰ء) Wilfred Cantwell Smith نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ عالم اسلام میں رائج نظام حکومت کی ناکامی کے احساس کے نتیجہ میں اسلامی بیداری آئی۔ ولفرڈ اسمتھ اپنی کتاب "اسلام عصر جدید میں" (Islam in Modern History) میں لکھتا ہے:

"عالم عربی واسلامی میں بیداری ۱۹۶۷ء کی ناکامی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، چنانچہ اس ناکامی کے طبعی ردعمل کے طور پر اسلامی جماعتیں اور تحریکات پوری قوت سے میدان عمل میں آگئیں، نوجوانوں نے اس شکست کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لیے دین کا سہارا لیا، اور ان میں اپنے مذہب سے بے پناہ لگاؤ پیدا ہوا، ان نوجوانوں نے عقاد، طٰہ حسین، احمد امین، ہیکل اور عمر وفروخ کے دفاعی موقف کو اختیار نہیں کیا، بلکہ اسلام سے دفاع کو اپنا شعار بنالیا اور یہ اعلان کردیا کہ ان مفکرین کے خیال کے مطابق اسلام مسلمانوں کی پستی کا سبب نہیں ہے، بلکہ اسلام ایک آفاقی، کامل اور لافانی مذہب ہے جو تہذیب وتمدن اور اور انسانی ترقی کا داعی ہے، اسلامی تحریک نے مدافعانہ پوزیشن کو چھوڑ کر اقدامی موقف اختیار کیا، اور اسلامی بنیاد پر ایک ایسا سماج قائم کرنے کی کوشش کی جس میں عدل وانصاف اور انسانیت کا فروغ ہو، اس تحریک کا بنیادی محرک وہ کامیابی تھی جو اس نے سامراجی حملہ کو ناکام بنانے اور سماج کو اخلاقی بے راہ روی اور کرپشن سے پاک کرنے میں حاصل کرلی تھی، اس تحریک کے خیال میں موجودہ معاشرہ موقع پرستی و مفاد پرستی کی بنیادوں پر قائم ہے، اور اس کی باگ ڈور مفسدین کے ہاتھوں میں ہے، اس لیے معاشرہ کی اصلاح کے لیے ایک ایسے جامع پروگرام کی ضرورت ہے، جس میں فکر اسلامی عصر جدید کی مشکلات اور مسائل کا حل پیش کرنے میں فعال اور تعمیری کردار ادا کرے، یہی وہ فکر ہے جس کا مختلف ملکوں میں مغربی افکار ونظریات اور مادی نظام زندگی سے راست ٹکراؤ ہے"۔

بعض مشہور قلمکاروں نے موجودہ عصر کو "بیسویں صدی کی جاہلیت" سے تعبیر کیا ہے، اور دلائل وواقعات کی روشنی میں مغربی تمدن کے دجل و مکر اور افلاس کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مغربی ممالک عالم اسلام کے ذخائر ومعدنیات کا استحصال کررہے ہیں۔

نئی نسل میں یہ احساس وشعور ان کتابوں کے مطالعہ سے اور زیادہ بڑھتا چلا گیا جن کے مصنفین نے مغربی تمدن پر جرأتمندانہ اور پراعتماد انداز میں نقد کیا اور سامراجی عزائم سے پردہ اٹھایا، ان ناقدین اور مفکرین نے مغربی تہذیب کو قریب سے دیکھا، پرکھا، اور عالم اسلام کے مسائل کے سلسلہ میں مغرب کی دوغلی پالیسی کا جرأتمندانہ جائزہ لیا، اسی طرح مغرب میں اسلام اور اسلامی مقدسات کی توہین اور شان رسالت میں گستاخی کے واقعات اور مسلم حکمرانوں کی بے حسی اور غلامانہ ذہنیت نے اس شعور کو قوی تر کردیا، یہیں سے اسلام کی طرف واپسی کا رجحان بڑھا، اسلامی شریعت کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کیا جانے لگا، اسلامی فکر کے حاملین نے مغربی فکر پر کھل کر نقد کیا، اس کے کھوکھلے پن کو واضح کیا اور مغرب کی نقالی کے نقصانات بیان کیے، اور قوم کے اندر یہ شعور وآگہی پیدا کردی کہ مغرب کس طرح عالم اسلام کو بیوقوف بنارہا ہے، مصائب اور خطرات میں اس کو بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے، عالم اسلام میں رونما ہونے والے واقعات اور حوادث پر جن کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ یورپ ابھی تک قرون وسطیٰ کی صلیبی ذہنیت سے باہر نہیں آسکا ہے، وہ آج بھی یہودیوں کا پرزور حامی ہے، اسلامی ممالک سے تعلقات اور دوستی کے باوجود یہودیوں کے مفادات کو مسلم مفادات پر ترجیح دیتا ہے، لوگ جانتے ہیں کہ یورپ سے یہ تعلقات اور یورپی مفادات کی خدمت وحفاظت یک طرفہ ہے، حالات وواقعات سے باخبر حضرات یہ بھی جانتے ہیں کہ یورپ کو مسلمانوں کی ترقی اور ان کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ یورپ کی تو یہی کوشش رہتی ہے کہ عالم اسلام کو مسائل ومشکلات میں الجھائے رکھا جائے، اور اس کی معیشت کی کمر توڑدی جائے، اس کے لیے عالم اسلام میں معاشی مسائل پیدا کیے جاتے ہیں، اور یورپ کی ایجنسیاں اسلامی ملکوں میں نت نئے مسائل، اقتصادی بحران، فکری ٹکراؤ اور فوجی انقلابات کراتی رہتی ہیں، تاکہ یہ ممالک ان مسائل کے حل کے لیے یورپ کی طرف ہاتھ پھیلائیں، یورپ کا یہی مشن ہے کہ عالم اسلام کو اس کے حقیقی سرچشموں اور انسانی قیادت سے دور رکھا جائے، اس کے لیے عالم اسلام کی حکومتوں پر پر دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ اسلامی بیداری کی ہر تحریک کو کچل دیا جائے۔

اسلامی ملکوں میں مغرب نواز نظام حکومت کی ناکامی کے احساس نے تمام باشندگان وطن میں نئے متبادل کی جستجو کا جذبہ پیدا کردیا، اور یہ احساس اتنا طاقتور تھا کہ اسے دبایا نہیں جاسکا، خود مغربی مفکرین کو یہ اندازہ ہوگیا کہ مسلمانوں میں یہ احساس بہت تیزی سے بڑھ رہا ہے، اور نقصان یا ذلت وپستی کا احساس انسان کو اس کے اسباب کے ازالہ پر ابھارتا ہے، اگر مغرب کے تابع اور غلام ممالک تعلیم کے میدان میں ترقی، سیاست اور معیشت میں استحکام وقوت اور مضبوط دفاعی نظام حاصل کرلیتے اور صنعت واعلیٰ تعلیم کے میدان میں ترقی حاصل کرکے ترقی یافتہ ممالک کی صف میں آجاتے اور اپنے مسائل حل کرنے کی صلاحیت حاصل کرکے خودکفیل ہوجاتے تب تو مغرب کی اس تقلید کا جواز ہوتا، لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا، بلکہ پستی وذلت اور معاشی پسماندگی کا شکار ہوگئے، جن ملکوں نے مغربی تمدن اور مغربی نظام زندگی کو اختیار کیا آج وہی سب سے زیادہ مقروض ہیں، اور ان کی معیشت کا دارومدار غیروں پر ہے، اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ مغرب پر سب سے زیادہ بھروسہ کرنے والے اور اس کے اشارہ پر چلنے والے اسلامی ملکوں کے ہی مسائل سب سے زیادہ پیچیدہ ہیں، اور یہاں سیاسی استحکام کا فقدان ہے، شہری حقوق کی پامالی کی جارہی ہے اور معیشت کی عمارت گرتی جارہی ہے۔

اس تلخ حقیقت نے عالم اسلام میں نئے نظام کی تلاش وجستجو کا جذبہ اور ایک نیا رجحان پیدا کردیا، اس صورت حال میں اسلام پسندوں کی ذمہ داری تھی کہ اس احساس کو قوت بہم پہنچاتے، اس کے دائرہ کو وسیع کرتے، اور اس احساس کو عام کرنے کے لیے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں یہ بٹھاتے کہ مغرب کی نقالی وتقلید سرار نقصان دہ اور پستی وادبار کا موجب ہے، اس میں مثقفین، معلمین، سیاسی قائدین اور قانون داں حضرات کو بھی شریک کیا جاتا، اور مغرب سے برآمد کیے گئے قوانین اور نظامہائے حکومت کی ناکامی اور کمزوری کو ظاہر کیا جاتا، اور یہ باور کرایا جاتا کہ مغربی نظام سیاست، معیشت اور تعلیم دیگر قوموں کے مسائل کو حل نہیں کرسکتا، اس لیے کہ یہ ان کے طبعی مزاج و ذہن، تاریخ، ماحول اور تہذیبی روایات اور قدروں سے متصادم ہے۔

دوسری طرف اسلام پسندوں کی یہ بھی ذمہ داری تھی کہ تمام مسائل کا اسلامی حل اور مغربی نظام کا صحیح بدل پیش کرتے، اور یہ ثابت کردیتے کہ عالم اسلام کے بیشتر مسائل سامراج کے باقیات اور مغربی فکر کی تقلید کا نتیجہ ہیں، اور یہ عالم اسلام پر تھوپے گئے ہیں، اس لیے یہ یورپی تجربات کی روشنی میں حل نہیں کیے جاسکتے۔

اس شعوری بیداری کی ترجیحات میں یہ تھا کہ اسلامی معاشرہ کی اصلاح وتعمیر کے راستے سے لوگوں کو فکری اور تہذیبی طور پر بیدار کیا جاتا، اسلامی تعلیم و تربیت کے ادارے اور اسکول قائم کرکے ملت اسلامیہ کی صفوں میں ملی، فکری اور تہذیبی وحدت پیدا کی جاتی، اسلامی نظام حیات کی روشنی میں عام زندگی کے مسائل حل کیے جاتے اور ان مغربی مراکز اور اداروں کے خلاف رائے عامہ تیار کی جاتی جو اسلامی ملکوں کے ذخائر اور وسائل کا استحصال کررہے تھے۔

اس اسلامی بیداری کے نتیجہ میں موجودہ نظام

حکومت کو بدلنے کے لیے ان ملکوں میں عوامی انقلابات ہوئے جہاں مدت دراز سے مطلق العنان اشتراکی نظام حکومت قائم تھا، اور ظالم ڈکٹیٹروں نے اسلامی بیداری کو کچلنے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی، اور سول آزادیاں سلب کرلیں، ان ملکوں میں عوامی انقلابات کے نتیجہ میں آمرانہ نظام کے سقوط کے بعد جب آزادانہ الیکشن ہوا تو الیکشن نے ثابت کردیا کہ یہاں کی اکثریت اسلامی شریعت ہی کو پسند کرتی ہے اور اسی کی روشنی میں اپنے تمام مسائل حل کرنا چاہتی ہے، اس اکثریت کا جمہوری حق تو یہ تھا کہ الیکشن میں بھاری اکثریت سے کامیابی کے بعد اس کو حکومت کا موقع دیا جاتا، لیکن دشمنان اسلام اس کامیابی سے خوف زدہ ہوگئے اور مغربی طاقتوں اور مذہب بیزار عناصر کی مدد سے منتخب سول حکومت کا تختہ پلٹ دیا گیا جیسا کہ جزائر اور ترکی میں کیا گیا، اور ان ملکوں میں فوجی حکمراں پھر واپس آگئے، یہی منصوبہ آج مصر میں دوہرایا گیا ہے، جہاں منتخب جمہوری حکومت کو ختم کردیا گیا، اور فوج کی نگرانی میں عبوری حکومت قائم کردی گئی ہے، اسلام پسندوں کی اندھا دھند گرفتاریاں جاری ہیں، ان کو جیلوں میں بھرا جارہا ہے، ان کی تنظیم اور پارٹی پر پابندی لگادی گئی ہے اور اثاثے منجمد کردیے گئے ہیں، اور یہ سب عالمی سامراجی طاقتوں کی نگرانی میں ہورہا ہے، الجزیرہ ویب سائٹ کے انگریزی ایڈیشن نے انکشاف کیا ہے کہ اس بات کے واضح اور صاف دلائل موجود ہیں کہ مصر میں ڈاکٹر مرسی کو اقتدار سے بے دخل کرنے اور فوجی انقلاب کرانے کے لیے امریکہ نے مخالفین کو زبردست فنڈ فراہم کیا ہے، دستاویزات سے معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ نے مصر میں قائم اپنے مختلف اداروں کے توسط سے فوجی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لئے تقریباً نوسو ملین ڈالر خرچ کیے ہیں، اور مرسی مخالفین کو بڑی رقمیں دی ہیں۔ (عربی مجلہ ''المجتمع'' کویت، شمارہ نمبر ۲۰۶۲، ۲۰-۲۶/جولائی ۲۰۱۳ء)۔

سامراجی منصوبہ کے تحت مصر میں ایک بار پھر سابق نظام سے سخت آمرانہ فوجی نظام حکومت نافذ کردیا گیا ہے، اور عبوری فوجی حکومت نے مرسی کے مویدین کے خلاف ظالمانہ کریک ڈاون کیا، جس میں ہزاروں مظاہرین مارے گئے، اس وحشیانہ سلوک اور بربریت پر پورا یورپ اور جمہوریت کے دعویدار ملکوں کے قائدین خاموش رہے، انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی متحرک نہیں ہوئیں، اس لیے کہ یہ لوگ اسلام پسند کہلاتے ہیں اور اسلام کو دہشت گردی سے جوڑ دیا گیا ہے، بعض سیاسی قائدین نے انکو دہشت گرد قرار دیا، اور ان کے عمل کو غیر جمہوری اور دہشت گردی قرادیا ہے، دوسری عبوری فوجی حکومت ان کے ساتھ بہیمانہ اور وحشیانہ معاملہ کررہی ہے، اور جیلوں میں بند اخوان حامیوں کو سخت ٹارچر کیا جارہا ہے، مظاہرین اور فوج کے درمیان خونی ٹکراو جاری ہے، جس میں سیکڑوں مظاہرین جاں بحق ہورہے ہیں۔

مغربی ممالک کے متضاد موقف کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ ایشیا اور یورپ کے متعدد ملکوں مثلاً ایران، فرانس اور پاکستان میں الیکشن ہوا، اور جن پارٹیوں کو اکثریت حاصل ہوئی ان کو اقتدار منتقل کردیا گیا اور ان کی حکومت قائم ہوگئی، اور پارٹیوں نے اپنی پالیسی نافذ کردی، اس پر کسی کو کوئی اعتراض ہوا اور نہ کوئی ردعمل سامنے آیا، یہ موجودہ مغربی تہذیب کے اصول کے مطابق بھی ہے، اور کامیاب پارٹی کو اقتدار منتقل کردینا ایک طبعی امر ہے، مصر کے تعلق سے بھی اس بات کا تقاضہ تھا کہ مغرب جمہوریت مخالف موقف کی سخت تنقید کرتا اور کامیاب پارٹی کو اقتدار میں رہنے کا موقع فراہم کراتا، لیکن اسلام پسندوں کے ہاتھوں میں اقتدار چلے جانے کے خوف نے ان کو بے چین کردیا اور سب نے مل کر مصر میں منتخب حکومت کو اقتدار سے بے دخل کراکر فوجی حکومت قائم کرادی، بلکہ ہر طرح کی امداد کا اعلان کیا۔ روسی صدر پوٹن نے ۱۷/اگست ۲۰۱۳ء کو دئے گئے اپنے ایک بیان میں زور دے کر کہا کہ ہم مصر میں فوجی حکومت کو ہر طرح کا تعاون دینے کے لیے تیار ہیں، اور اسلام پسندوں سے نفرت اور عداوت کا کھل کر اظہار کیا، ذرائع کے مطابق روسی صدر پوٹن خطہ میں اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے ہیں، اور اس کے لئے مشرق وسطی کے ممالک سے تعلقات مستحکم کرنے کی کوشش کررہے ہیں، دوسری طرف خطہ میں دہشت گردی مخالف جنگ میں طاقتور لیڈر کی حیثیت سے سامنے آنا چاہتے ہیں، اسی لئے پوٹن مصر اور شام میں اسلام پسندوں کو دہشت گرد قرار دے رہے ہیں اور شام میں بشار الاسد کی کھل کر حمایت کررہے ہیں۔

غیر جمہوری اور مطلق العنان حکومت کی تائید کرنا غیر جمہوری عمل ہے، لیکن جو لوگ جمہوریت، سول آزادی، فرد کی آزادی، اکثریت کے اقتدار کی تائید اور انتخابی نظام کی وکالت کرتے ہیں ان کا رویہ انتہائی افسوسناک ہے، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ دنیا میں رونما ہونے واقعات اور تبدیلیوں کے تعلق سے مغرب دوہری پالیسی اختیار کرتا ہے۔

☆☆☆☆☆

حساب عمل

ہم اپنا خود جائزہ لیں!

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی

دنیا کی ساری چیزوں میں ایک تو ذات ہے، مادہ ہے، اصل ہے، دوسری چیز اس کی صفت ہے، کیفیت ہے، تاثیر ہے مثلاً سونا چاندی ہی کو لے لیجیے، ایک تو بحیثیت اپنی اصل کے دھات ہیں، زمین کے اجزاء کے ساتھ مرکب بہت سی دھاتوں میں سے ایک دھات ہے، یہ تو اس کی اصل ہے، اب اس کی صفت وکیفیت کو سامنے رکھئے کہ اس سونا چاندی کو ہم نے سکوں میں ڈھال لیا اور اس کو زر مبادلہ کے طور پر استعمال کرنے لگے اور اب سونا چاندی سکوں میں تبدیل ہوگیا، اور اس سے دوسرے فائدے حاصل ہونے لگے، اگر ہمارے پاس یہ سکے ہیں تو ہم کو اس سے غلہ بھی کھانے کو مل جائے گا، اگر کپڑے کی ضرورت ہو تو پہننے کے لیے کپڑے حاصل ہوجائیں گے، کہیں سفر کرنا ہو تو ہم کو سفر کی ساری سہولتیں میسر ہوسکتی ہیں گویا کہ دنیا کی ہر ضرورت وموقعہ پر یہ کام آنے لگے، یہ سب سونے چاندی کی صفت ہوئی، تاثیر ہوئی جو فائدہ ہم اٹھارہے ہیں، اس کی صفت سے فائدہ اٹھارہے ہیں نہ کہ اس کی اصل ذات سے، مثلاً پانی کو لے لیجیے ایک تو اس کا اصل مادہ ہے جو سیال ہے، دوسرے اس کی صفت ہے کہ اس کے پی لینے سے پیاس جاتی رہتی ہے، کپڑا دھو لینے سے اصل گندگی اور میل دور ہوجاتا ہے، پودوں اور باغوں میں پانی دے دیا جائے تو سرسبز وشاداب ہوجاتے ہیں، یہ سب اس کے صفات ہیں، مظاہر ہیں کیفیات ہیں، تاثیرات ہیں۔

مثلاً کپڑے کو لے لیجیے ایک تو اس کی اصل یعنی روئی وغیرہ ہوتی ہے، دوسرے اس کے صفات ہیں یعنی اس کے استعمال سے سردی وگرمی سے حفاظت ہوتی ہے، اس کے استعمال سے انسان مہذب وشائستہ نظر آتا ہے، سوسائٹی میں جگہ پانے کے قابل ہوتا ہے، یہ نہ ہو تو اس کے لیے جنگل، بیابان زیادہ موزوں ہے، یہ سب اس کے صفات ہوئے، ہر چیز کی قیمت اس کی صفت کے مطابق ہوتی ہے، اگر اس کے صفات گوناگوں ہیں، اعلیٰ و ارفع ہیں تو اس کی قدر وقیمت بھی اعلیٰ وارفع ہے اور اگر اس کے صفات نہایت مضر وخطرناک ہیں تو اس کی قدر وقیمت بھی ویسی ہی ہے پھر جس قدر صفات اعلیٰ و ارفع اور با اثر ہوں گے، اسی کے مطابق ان کے موصوف اور اصل کی بھی حفاظت ہوگی، موصوف اور اصل کے بقاء کا سامان کیا جائے گا، اگر سونے وچاندی زر مبادلہ بن کر خاص اہمیت کے حامل ہوگئے ہیں تو اصل سونا وچاندی کے حصول ویافت کی کوشش بھی بڑھ جائے گی، ان کی حفاظت اور بقاء کی فکر بھی دامن گیر ہوگی، اگر پانی کے صفات اعلیٰ وارفع ہیں تو پانی کی اصل اور مادہ کی بھی اہمیت بڑھ جاتی ہے، اصل مادہ کو تلاش کیا جاتا ہے، اس کی حفاظت کی جاتی ہے، چشموں سے نکالا جاتا ہے، کنوؤں سے کھینچا جاتا ہے، اس کے بقاء کے لیے کوشش کی جاتی ہے، برتنوں اور ٹنکیوں، حوضوں میں باقی رکھا جاتا ہے، اگر روئی کے صفات اعلیٰ وارفع ہیں تو روئی کی کاشت کی جاتی ہے، اس کو باہر سے درآمد کیا جاتا ہے، اس کی بارش اور مضر چیزوں سے حفاظت کی جاتی ہے، اس کی اصل کے بقاء کی کوشش کی جاتی ہے وغیرہ۔

مرد مومن اپنی ذات کے اعتبار سے گوشت و خون کا مجموعہ ہے، ہڈیوں اور اعصاب کا جال ہے: "وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا" اپنی اصل اور ذات ومادہ کے اعتبار سے وہ کوئی زیادہ قابل قدر واعلیٰ وارفع نہیں بلکہ اپنی صفات، تاثیرات، کیفیات کے ہی لحاظ سے اعلیٰ و ارفع ہے، اگر اس میں وہ صفات وکیفیات پیدا ہوگئی ہیں جن کی دعوت انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں تو وہ نہایت اعلیٰ وارفع ہے اور اگر اس کے برعکس صفات اس میں آگئے تو وہ نہایت پست وذلیل ہے، اگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت والی صفات کسی فرد یا جماعت یا قوم وملت میں پیدا ہیں تو وہ اعلیٰ و ارفع ہے، اس کے اصل کی حفاظت ہے، ذات کی حفاظت ہے، اس کے بقاء ووجود کی ضمانت ہے اور اگر ان صفات کے برعکس صفات ہوئیں تو حکمت کا تقاضہ اور فطرت کا قانون ہے کہ اس کے وجود کو ختم کیا جائے، ضائع کیا جائے، پانی جب پیاس بجھانے کے بجائے پیاس پیدا کرے، گندگی دور کرنے کے بجائے گندگی پیدا کرے، باغوں درختوں کو سرسبز کرنے کے بجائے ان کو خشک کرے تو پانی پھینک نہیں دیا جائے گا تو اور کیا کیا جائے گا، پانی جب زہر آلود ہوجائے، جراثیم کا مرکز اور سرچشمہ ہوجائے تو اس کا رکھنا، بیماریوں کو اور پالنا ہے، جتنی جلد پھینکا جائے اتنا ہی بہتر ہے......

......بقیہ صفحہ ۴۴ر پر)

عبرت انگیز

حاجت مندوں کی خبر گیری

مولانا ابو العرفان خاں ندویؒ

غرباء اور حاجت مندوں کی خبر گیری اور کسی بھوکے خاندان کے لیے قوت لایموت کا انتظام افضل عبادات میں ہے، کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید فرمائی ہے، اور ایسے لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے، اس وقت ہم آپ کے سامنے دو سچے واقعات بیان کرنا چاہتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ ہمارے بزرگان دین، ائمہ کرام غرباء اور اصحاب حاجت کی امداد کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اور اس کے لیے وہ کیسی کیسی قربانیاں فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک جو اپنے وقت کے بہت بڑے محدث اور عالم دین تھے اور جن کی بڑائی اور عظمت کے بہت سے واقعات تاریخ کی کتابوں میں پھیلے ہوئے ہیں، انھیں کا ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ ایک بار سفر حج کے لیے تشریف لے جا رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے دولت علم کے ساتھ دولت مال سے بھی نوازا تھا، خدم و حشم اور دوسری ضروریات سفر بھی ساتھ تھیں، کیا دیکھتے ہیں کہ ایک گھر سے ایک صاحبزادی نکلتی ہیں اور کوڑے کرکٹ پر ایک مردار پڑے ہوئے پرندے کو اٹھا کر گھر لے جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے جب یہ دیکھا تو ان صاحبزادی کو گھر سے باہر بلوایا اور اس پرندے کو ان کے گھر میں لے جانے کی وجہ پوچھی، اس بیچاری نے بتلایا کہ ہم لوگ افلاس وفقر کی وجہ سے اس حالت میں پہونچ گئے ہیں کہ اب ہمارے لیے مردار جائز ہوگیا ہے، عبداللہ بن مبارک نے ناظم سفر کو بلا کر پوچھا کہ: تمہارے پاس کتنے روپئے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ ہزار دینار موجود ہیں، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: یہاں سے گھر واپسی کے لیے بیس دینار کافی ہوں گے، وہ رکھ لو، اور باقی جملہ رقم ان کو دے دو، اور آخر میں فرمایا: "فهذا أفضل من حجنا في هذا العام" یعنی اس سال سفر حج سے زیادہ بہتر اور کار ثواب یہ ہے کہ سفر حج کے لیے جو رقم موجود ہے اور ان حاجت مندوں کو دے دی جائے، چنانچہ عبداللہ بن مبارک اپنے وطن مرو تک واپسی کے لیے بیس دینار رکھ کر اور باقی رقم ان مسکینوں کو دے کر اسی مقام سے اپنے وطن واپس آگئے، اور اس سال حج نہیں فرمایا۔

ایک دوسرا واقعہ بھی ملاحظہ ہو:

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نفل روزے بکثرت رکھا کرتے تھے، ان کی اخیر عمر کا یہ واقعہ تاریخوں میں محفوظ ہے کہ غذا بہت مختصر بلکہ تقریباً ختم ہو چکی تھی، برائے نام افطار کے بعد سحری کے وقت جب کچھ پیش کیا جاتا تو نوالہ چبا کر اگل دیا کرتے تھے، اقبال خادم نے مسلسل اس کیفیت کو دیکھنے کے بعد کہا کہ آپ افطار کے وقت بھی کچھ نہیں کھاتے اور سحری کے وقت بھی یہی حال ہے، بڑھاپے کی وجہ سے ضعف یوں بھی ہے اور مسلسل کچھ نہ کھانے سے آپ کی صحت پر برا اثر پڑے گا، اقبال خادم کی یہ بات سن کر حضرتؒ رونے لگے اور فرمایا:

"جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ اللہ کے کتنے بندے بھوکے اور پیاسے سڑک یا کسی دکان کے کنارے پڑ کر رات گزار رہے ہیں تو نوالہ حلق سے نیچے نہیں اترتا اور مجبوراً اگل دیتا ہوں"۔

ہم لوگوں کے لیے ایسے واقعات میں بہت ہی درس عبرت ہے، ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو اس طرح اپنے طے شدہ پروگرام کو اس لیے منسوخ کرتے ہیں کہ اس میں جو مصارف ہوں گے وہ کسی حاجت مند کو دے دیں، ورنہ دیکھا تو یہ جاتا ہے کہ اپنے بڑے سے بڑے پروگرام کی تکمیل کے وقت صاحب حاجت اعزہ اور پڑوسیوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۲۳ کا......

......حکمت اور فطرت کے عین مطابق ہے ہم اللہ کی زمین پر ساری نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں، متمتع ہوں، ان نعمتوں کا شکر اللہ کی نافرمانیوں سے ادا کریں، نافرمانیاں ہی نہیں اس کے غضب کو چیلنج کریں، علی الاعلان کھلم کھلا بغاوت کریں پھر توقع رکھیں کہ ہم کو معاف کر دیا جائے گا اور ہمارے وجود و بقاء کی ضمانت ہے، سخت تعجب خیز ہے، یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کے باغی (یا کسی بادشاہ کے باغی کو) پناہ نہیں ہے، ہماری زندگی باغیانہ ہے، الا ماشاء اللہ ہم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں، ہم کس حال میں ہیں، کسی کے لکھنے یا وعظ کرنے یا نصیحت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم اپنا خود جائزہ لیں ہمارا پرچہ، ہمارے امتحان کی کاپی ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم اپنا نمبر خود دے کر نتیجہ دیکھ لیں۔

☆☆☆☆☆

دین و دنیا

دائمی اور فانی لذتیں

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندویؒ

اس دنیا کی لذتوں اور رونقوں کا کیا کہنا؟ ہر طرف انسان کی لذت اندوزی اور راحت کوشی کے سامان نظر آتے ہیں، جنہیں سائنس اور صنعت کی بدولت روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، رہنے کے لیے آرام دہ اور خوش وضع مکانات بنتے چلے جاتے ہیں، پہننے کے لیے رنگ برنگ اور اعلیٰ سے اعلیٰ ملبوسات سے بازار پٹے پڑے ہیں، لذت کام و دہن اور جسمانی قوتوں کے تحفظ کے لیے بہترین ماکولات و مشروبات کے انبار ہیں، صحت و تندرستی حاصل کرنے کے لیے دواؤں کے ذخیرے موجود ہیں، تیز رفتار سواریوں کی وجہ سے زمین کی فضائیں کھنچ گئی ہیں، یہی نہیں بلکہ اب تو ہوا بھی انسان کی خادمہ بن چکی ہے اور وہ اس کے روش پر اڑا اڑا پھرتا ہے، غرض یہ کہ جسمانی لذت و راحت اور زندگی کی لطف اندوزیوں کا وافر سامان موجود ہے، اور آدم زاد کی کوشش روز بروز بلکہ ساعت بہ ساعت اس میں اضافہ کرتی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ اس سامان راحت اور ان اسباب آسائش کو آدمی کس لیے استعمال کرے؟ اس سوال سے بہت لوگ متعجب ہوں گے، وہ کہیں گے کہ ماکولات و مشروبات بھوک کو دور کرنے اور لذت کام و دہن حاصل کرنے کے لیے ہیں، لباس موسمی اثرات سے حفاظت اور زیب و زینت کے لیے، ریل، موٹر، ہوائی جہاز وغیرہ سیر و سیاحت کے مقصد سے وجود میں آئے ہیں، اسی طرح ہر تمدنی چیز انسان کی کوئی نہ کوئی مادی حاجت پوری کرتی ہے یا اس کے لطف زندگی میں اضافہ کرتی ہے، مقاصد بالکل واضح ہیں، ان کے متعلق سوال مذکور کے کیا معنی ہیں؟

میں ان سے کہوں گا کہ ذرا ٹھہریے، پہلے ہی آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے نزدیک انسانی زندگی کی انتہا موت ہی پر ہو جاتی ہے یا موت کے بعد کوئی دوسری زندگی بھی ہے؟ اور عالم کا مصداق صرف یہ عالم دنیا ہی ہے یا اس کے بعد عالم آخرت کے نام کا بھی کوئی عالم موجود ہے؟ اگر آپ موت کے بعد آنے والی زندگی کے بعد عالم آخرت کے قائل نہیں ہیں تو میں آپ سے سوال مذکور نہ کروں گا، اور بے شک اس کا جواب آپ کے ذمہ نہیں ہے، لیکن اگر آپ زندگی کے بعد موت کے قائل اور عالم آخرت کے معتقد ہیں تو آپ کا اس سوال سے دوچار ہونا یقینی اور فطری ہے، آپ اس سے ہزار منہ پھیریں مگر وہ آپ کے سامنے آئے گا اور آپ کا قلب آپ سے پوچھے گا کہ دنیا کے ان وسیع و تمدن وسائل اور آسائش کے ان کثیر ذرائع کو جسمانی و مادی خواہشوں کی تسکین کے لیے استعمال کیا جائے یا ان کو اس زندگی کی حاجتیں پوری کرنے اور راحتیں حاصل کرنے کے لیے استعمال کیا جائے جس کی ابتداء مرنے کے بعد ہوگی اور جس کی کوئی انتہاء نہیں ہے، مختصر یہ کہ انہیں عالم دنیا کے مادی مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جائے یا عالم آخرت کے مقاصد و فوائد ان سے حاصل کیے جائیں؟

فکر کی یہی منزل ہے جہاں انسان کے سامنے ایک دوراہہ آتا ہے، ایک راستہ جہنم اور عذاب آخرت کی طرف جاتا ہے، دوسرا جنت اور آخرت کی کامیابی و کامرانی تک پہونچاتا ہے، ایک ذلت و رسوائی اور حق تعالیٰ کے غضب دائمی میں مبتلا کرنے والا راستہ ہے، دوسرا عزت و سرخروئی، اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و خوشنودی کی راہ ہے، ایک کفر و طغیان کا راستہ ہے دوسرا اسلام و ایمان کا طریق مستقیم، اس مسئلہ میں مسلم و غیر مسلم میں ایک بنیادی فرق تو علم و یقین کے اعتبار سے ہوتا ہے، نعمت اسلام سے محروم کا علم صرف ایک زندگی تک محدود ہوتا ہے، وہ صرف ظاہری زندگی کو دیکھتا ہے، حقیقی زندگی کو نہیں دیکھتا، الحیاۃ الدنیا (پست زندگی) کو جانتا ہے، اعلیٰ زندگی (حیات اخروی) سے بے خبر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اس کی اس فکری پستی کو اس طرح بیان فرمایا ہے: "يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ. [سورہ روم]

(یہ لوگ صرف ظاہری پست زندگی کو جانتے ہیں اور آخرت کے بارے میں بے خبر ہیں)۔

اسی بنیادی اختلاف کی وجہ سے دونوں کی اخلاقی و عملی زندگی میں بھی فرق نمایاں ہوتا ہے، آخرت کا منکر اور حیاۃ بعد الموت کا منکر دنیا کے ذرائع اور وسائل کو صرف اپنی مستعار اور ناپائیدار زندگی کی مادی لذتوں اور راحتوں کے لیے کام میں لاتا ہے، وہ موجودہ زندگی میں لطف اٹھانے ہی کو اپنا مقصد زندگی سمجھتا ہے اور اس کے لیے جد و جہد میں مصروف رہتا ہے، کبھی بھول کر بھی اسے یاد نہیں آتا کہ ان اسباب تنعم اور عیش و راحت کے وسائل کا اس کے مرنے کے بعد اس پر کیا اثر ہوگا؟ بخلاف اس کے جو شخص آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کی زندگی کا نقشہ بالکل دوسرا ہوتا ہے، حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید میں اس بارے میں حکم فرمایا ہے کہ:

"وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ"۔ (جو کچھ تجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، اس کے ذریعے آخرت کی کامیابی کی جستجو کرو اور دنیا میں جو تیرا (آخرت کے لیے) حصہ رکھا گیا ہے اسے نہ بھول، اور تو دوسروں کے ساتھ بھلائی کر جس طرح اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے)۔

ایک مسلمان کے لیے دنیاوی زندگی کے جتنے وسائل و ذرائع ہیں اور اس دنیا میں جتنی راحت رساں، لطف آفریں اور زینت افزوں اشیاء موجود ہیں، جو فی نفسہ مقصود نہیں ہیں بلکہ صرف آخرت کی کامرانی و کامیابی کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں، اسے حکم ہے کہ وہ ان سب میں حسن آخرت کو تلاش کرے اور انہیں موجودہ زندگی کے منافع کے بجائے مرنے کے بعد آنے والی زندگی کے منافع کے لیے استعمال کرے۔

کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا پہننے اوڑھنے کی، رہنے سہنے کے مکانات، کوٹھیاں و محل سرائیں ہوں یا سیر و سفر کے وسائل، اونٹ، گھوڑا، موٹر، ریل اور ہوائی جہاز، بوریا ہو یا تخت طاؤس، دنیا کی ہر چیز میں دو پہلو نکلتے ہیں، دنیاوی پہلو اور اخروی پہلو، وہ ہماری مادی زندگی کی کوئی حاجت پوری کرتی ہے، یہ تو ہے اس کا دنیاوی پہلو، دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ آخرت میں ہی ہمارے لیے مفید یا مضر ہو سکتا ہے، یہ ہے اس کا اخروی پہلو، یہی اس کا اصل جوہر ہے جسے آیت مذکورہ میں مومن کا نصیب اور حصہ فرمایا گیا، یہ حصہ مومن کے لیے مخصوص ہے، جو شخص عالم آخرت کا منکر اور ابتلائے کفر ہے وہ اس حصہ سے محروم ہے۔

اسی آیت کی روشنی میں وہ شاہراہ صاف نظر آتی ہے جس پر مسلم کی زندگی کو گامزن ہونا چاہیے، دنیاوی اشیاء سے لطف اندوزی ممنوع نہیں ہے، لیکن ممنوع یہ ہے کہ آدمی اس لطف اندوزی ہی کو اعتقاداً یا عملاً مقصود زندگی بنالے، حکم یہ ہے کہ دنیا کی چھوٹی سے چھوٹی چیز سے لے کر بڑی سی بڑی چیز تک جسے بھی کام میں لاؤ اسے آخرت کے لیے کام میں لاؤ، رہا دنیا کا لطف تو وہ بغیر نیت بھی حاصل ہو جائیگا، اس کے لیے کسی قصد و نیت کی ضرورت نہیں ہے، اسے آخرت کی منفعت کے تابع رکھو، دنیاوی فرحت تو اخروی فائدے کی باندی ہے خود بخود اس کے ساتھ آئے گی۔

صحابہ کرامؓ جن کی پیروی ذریعہ نجات و کامرانی ہے، دنیا کی زندگی کو اس قدر حقیر سمجھتے تھے کہ بعض اسے زندگی کے نام سے موسوم کرنا بھی نہیں پسند فرماتے تھے، حضرات انصارؓ کا یہ زریں مقولہ کتب حدیث میں بکثرت منقول ہے:

"اللّٰھم لا عیش الا عیش الآخرۃ" (اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی ہی زندگی ہے)۔

یہ نکتہ بھی غور سے سن لیجیے کہ آخرت کی نیت کے معنی صرف اتنے نہیں ہیں کہ آدمی محض آخرت کا خیال کر لے بلکہ نیت و قصد کے معنی یہ ہیں کہ دنیاوی وسائل و ذرائع کو منفعت آخرت کے لیے شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کام میں لایا جائے، اگر صرف عقلی طور پر قصد کر لیا گیا اور طریق استعمال میں احکام شرعیہ کی پیروی نہ کی گئی تو یہ نیت نہیں ہے بلکہ محض تمنا یا نیت کی نیت ہے، اور صرف اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا بلکہ بعض صورتوں میں آخرت کے نقصان اور معصیت میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہے۔

آج دنیا والے دنیا میں منہمک ہیں، انہوں نے مادی منفعتوں اور لذتوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا ہے، افسوس ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت بھی اسی خوفناک اور تباہ کن راستہ پر چل رہی ہے، اعتقاد تو ہمارا اللہ پر بھی ہے اور ان کے رسولؐ اور عالم آخرت پر بھی، لیکن عمل ہمارا یہ ہے کہ ہم امریکہ و یورپ یا چین و جاپان کی قوموں کے راستہ پر گامزن ہیں، وہ قومیں جو اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجرم اور مبغوض و ملعون ہیں، کاش ہماری قوم کو ہوش آتا کہ وہ کہاں جا رہی ہے؟ میرے بھائیو! تم حق تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق سمجھتے ہو، مرنے کے بعد آنے والی دائمی زندگی کے معتقد ہو، اس کے بعد دنیا میں منہمک ہو؟!

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ انٹگرل یونیورسٹی لکھنؤ کے میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں اسسٹنٹ پروفیسر، آسرا ہاسپٹل کرسی روڈ کے ڈائریکٹر ڈاکٹر شکیل احمد قدوائی کی اہلیہ، معروف ماہر امراض نسواں ڈاکٹر فاطمہ زہرا کا ۲۷/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۳/ اکتوبر ۲۰۱۳ء کو سخت علالت کے بعد انتقال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحومہ کی تدفین اعزہ و اقارب اور بڑی تعداد میں شہریوں کی موجودگی میں وکاس نگر میں واقع قبرستان میں عمل میں آئی۔

☆ مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، لکھنؤ کے معاون انچارج مولانا محمد کلام الدین ندوی کے والد محترم محمد مستقیم خاں کا ۲۶/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ/۳/ اکتوبر ۲۰۱۳ء بروز جمعرات قلبی دورہ پڑنے سے انتقال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اور تدفین اپنے وطن بھاگلپور میں ہوئی، مرحوم صوم و صلاۃ کے پابند، با اخلاق اور بہت ملنسار تھے، سماجی کاموں میں پیش پیش رہتے تھے، پسماندگان میں ۳ لڑکے اور ۲ لڑکیاں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں جگہ دے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

فکر فردا

عقیدہ آخرت اور دنیا کی گمراہی

مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ

"يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ"۔ [سورہ روم]

(یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور آخرت سے (محض) بے خبر ہیں)۔

قرآن مجید ایک نسخۂ شفا ہے، اس لیے اس کی نظر ان امراض پر بھی رہتی ہے جو بنی نوع انسان کی فکری اور عملی صلاحیتوں کو برباد کرتے رہتے ہیں، ایک مہربان طبیب کی طرح اس کا فرض ہے کہ وہ اس قسم کی مہلک بیماریوں کی نشاندہی کرتے، اور اس سے بچنے کے طریقوں سے بھی خبردار کرے۔

آیت بالا میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایک ایسے خطرناک مرض سے ہوشیار کیا ہے کہ جو اس مرض میں مبتلا ہوا وہ قلب روشن اور چشم بینا سے محروم ہوگا اور اسی سے بے بصری اور کور باطنی نے ہمیشہ کے لیے اس پر حق و صداقت کے دروازوں کو بند کر دیا۔

اس بیماری کی پہلی منزل یہ ہے کہ:

"يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا"۔

(یہ لوگ صرف دنیاوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں)

یعنی انسانی علم صرف دنیاوی زندگی کی اوپری باتوں تک محدود ہو جائے، اور اس سے آگے کی منزل سے وہ بے فکر ہو جائے۔

بے شبہ جب تک انسان اس عالم رنگ و بو میں ہے، اس کو اپنی انفرادی اور اجتماعی ضروریات سے متعلق اس کائنات کا علم ضروری ہے، اور یہ ہرگز کوئی غلط بات نہیں ہے لیکن شکوہ تو اس وقت ہے کہ جب انہیں چند معلومات کو اپنی زندگی کا مقصود قرار دے لیا جائے، اور علم و فضل کا معیار انہیں اوپری باتوں کو مان لیا جائے۔

قرآن مجید انسان کی اس کم ہمتی، کوتاہ بینی اور گراوٹ پر اعتراض کرتا ہے، اس کے نزدیک انسان کا منصب اس سے کہیں زیادہ عزم و ہمت اور بلندی کا طالب ہے۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

آج دنیا کی چھوٹی اور بڑی تعلیم گاہوں کا جائزہ لیا جائے تو "یعلمون ظاہراً من الحیاۃ الدنیا" کی پوری تفسیر سامنے آجائے گی، ان درسگاہوں میں وہ سب کچھ ملے گا جو انسان کی اوپری زندگی سے متعلق ہے، انسانی زندگی میں سب سے قیمتی چیز اس کی صحت و تندرستی ہے، آپ کو طب یونانی کے مدارس، اور میڈیکل کالجوں میں انسان کے ایک ایک عضو کی بیماریوں اور اس کے نئے نئے طریقہ علاج کے متعلق انتہائی قیمتی سامان ملے گا، معاشی زندگی کو علم و فن کی حیثیت سے سدھارنے کے لیے بے شمار نظامہائے تعلیم نظر آئیں گے، یہ صنعتی کالج ہے، اور اس سے متعلق بے شمار شعبہ جات ہیں، یہ زرعی درسگاہ ہے، یہ بھی زراعت کی ترقی کے لیے اپنے پاس گوناگوں پروگرام رکھتی ہے، یہ عام اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں ہیں، یہاں جغرافیہ، تاریخ، حساب، زبان، منطق، فلسفہ، سائنس، سیاسیات، علم نباتات، علم الحیوانات غرض ہر شعبہ زندگی کے متعلق آپ کو تعلیم کا انتظام ملے گا، کتب خانوں میں چلے جائیے، بالکل یہی نقشہ وہاں بھی نظر آئے گا، لیکن علم و فن کے اس دور میں علم کی طاقت پرواز اس سے آگے نہیں ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ قرآن مجید کو آخر اس علم و فن میں کیا کمی نظر آتی ہے؟ اور وہ انسان کو اس سے آگے کہاں دیکھنا چاہتا ہے، درحقیقت اسی سوال کا جواب ہے جس کو آیت بالا میں انسانی بیماری کو اس کی دوسری منزل قرار دیا جا سکتا ہے۔

"وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غَافِلُونَ"۔

(اور آخرت سے محض بے خبر ہیں)۔

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دنیا کے تمام اعمال اور اسکے نتائج کی اصلی اور دائمی بنیاد آخرت کے یقین پر قائم ہے، اگر یہ یقین متزلزل ہو جائے تو انسانی اعمال کے نتائج کا ریشہ ریشہ بیخ و بن سے اکھڑ جائے۔

قرآن مجید کو موجودہ انسانی علم پر یہی اعتراض ہے کہ اس نے اپنے نظام تعلیم میں زندگی کے ہر پہلو کا لحاظ رکھا ہے، اور اس کے لیے ہر طرح کی جدوجہد کی ہے، لیکن تعلیم کا وہ شعبہ جس سے زندگی کی حقیقی راہ کا سراغ ملتا ہے، جس سے انسانی قلوب روشن ہو جاتے ہیں، جس سے انسان اپنی منزل مقصود تک پہونچتا ہے، یہی نہیں کہ انسان اس علم سے ناواقف ہے، بلکہ بے فکر ہے۔

بے شبہ آج دنیا کے مختلف گوشوں میں، دینی مدرسوں اور خانقاہوں کے اندر کچھ چراغ جلتے ہوئے نظر آتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان چراغوں کو ان ہواؤں سے محفوظ رکھیں جو ان کو بجھانے کی فکر میں ہیں، لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ ہمارا عمومی نظام تعلیم و تربیت کس سمت جا رہا ہے؟ ہمارا عام معاشرہ اسی عمومی نظام کے ماتحت بنتا ہے، اور یہ عمومی نظام

تعلیم وتربیت آخرت کے تصور سے خالی اور محروم ہے پھر انسانی زندگی میں سدھار آئے تو کیسے آئے؟

انسان کے موجودہ نظام تعلیم کے اس بنیادی خرابی کے دو تکلیف دہ نتائج ہیں۔

پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ علم وفن کی اس روز افزوں ترقی کے باوجود انسانی زندگی سے امن اور چین گم ہے، اخلاق فاضلہ حرف غلط کی طرح مٹ گئے ہیں، حقوق اور واجبات کا احساس نہیں ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان کے موجودہ علم وفن میں کل کے احتساب کا کچھ تصور نہیں ہے، اور تجربہ شاہد ہے کہ جو نظام تعلیم وتہذیب فکر فردا سے خالی ہے وہ انسانی اخلاق کو ہرگز نہیں سدھار سکتا۔

دوسری سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس آج کے بعد اگر ایسا کل آیا جس میں انسان کو اپنے خدا کے حضور میں حاضر ہونا ہے، اور اپنی پوری زندگی کا حساب دینا ہے اور ہمارے عقیدہ کے مطابق یقیناً ایسا ہونا ہے، تو اس وقت یہ نظام تعلیم اور یہ سلسلہ تہذیب وتمدن انسان کے حق میں کیسا غیر مفید ثابت ہوگا، اس لیے کہ ہمارے موجودہ سرمایہ علم میں، اس دن کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ موجودہ نظریہ علم پر قرآن مجید کی اس تنقید پر غور کرنا ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اپنی جیب سے مقدور کے مطابق چند سکوں کو نکال کر دینی مدارس کے حوالے کردینا ان کے لیے کافی ہے، حالانکہ صورت حال ہرگز ایسی نہیں ہے، اگر ان کو آخرت پر یقین ہے، اور اپنی ذات کے ساتھ اور اپنی اولاد کے ساتھ صحیح محبت ہے، تو ایسے ماحول سے کم از کم اتنا تعلق ضرور رکھنا چاہیے کہ آخرت کی منزلیں آسان ہوں اور روز جزاء کی شرمساری سے نجات ملے۔

☆☆☆☆☆

(ایمان ومادیت)

نازک دور اور وقت کی پکار

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

جن مسلمان والدین کو اپنا دین عزیز ہے، اور وہ اسلام کے لیے ہر طرح کی قربانی اور ایثار کو اپنے لیے فخر سمجھتے ہیں، وہ کبھی اس کو برداشت نہیں کرسکتے کہ ان کے بچے سے دور رہ کر زندگی گذاریں، وہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، بری صحبت سے بچانے کی فکر کرتے ہیں، ان کو سچی اور اچھی باتیں بتلاتے ہیں، بزرگوں کے واقعات سنا سنا کر دین کا جذبہ بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور سخت سے سخت حالات میں مایوس نہیں ہوتے ہیں۔

ان ممالک میں جہاں مسلمانوں کا دینی حیثیت سے کوئی نظام قائم نہ تھا اور ان کے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ تھا بلکہ حکومت کی طرف سے جو تعلیم دی جاتی تھی وہ مسلمان بچوں کے لیے دینی حیثیت سے زہر سے کم نہ تھی، اس تعلیم کو حاصل کرکے مسلمان بچہ جو کچھ بھی بنتا مسلمان اور خدا پرست نہیں رہ سکتا تھا، ایسے نازک موقع پر دین کی تربیت رکھنے والے والدین نے اپنے بچوں سے غفلت نہیں کی، بلکہ ان کی دینی تعلیم کا خود انتظام کیا، خود وقت نکال کر ان کی ذہنی تربیت کی اور سرکاری تعلیم کے زہر سے ان کو بچالیا، اور انکی کوشش سے نسلوں کی نسلیں الحاد اور کفر سے بچ نکلیں اور صرف اسلام پر ہی قائم ہی رہیں، بلکہ ان میں بعض ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کے ہاتھوں پر ہزاروں انسان جو خدا سے روٹھے ہوئے تھے، تائب ہوئے۔

آج کا دور بھی یہی نزاکت لیے ہوئے ہے، ہمارے ملک میں جو سرکاری تعلیم رائج ہے، اور جو نصاب اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے، وہ بھی اپنے مواد اور اپنی تقریروں کے لحاظ سے مسلمان بچوں کو ان کے دین عزیز سے دور کرنے اور شرک کی طرف کھینچنے والا ہے، آپ پورے نصاب پر نظر ڈالیے، ہزاروں صفحات میں غیر اسلامی کلچر کی تعریف، اس کی دعوت وتلقین ہی ملے گی، نہ مسلمانوں کی بزرگوں کا نام ملے گا نہ ان کی خدمتوں اور کارناموں کا تذکرہ ملے گا، اگر کہیں کہیں کوئی تذکرہ آجاتا ہے تو کسی تاریخ عمارت کا یا کسی بادشاہ کا۔

نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان بچوں کے معصوم دماغ متاثر ہوتے ہیں، اسکول میں وہ یہ پڑھتے ہیں، گھروں پر ان کو کوئی دین کی بات بتاتا نہیں، رفتہ رفتہ اپنے بزرگوں تک سے ناواقف ہوجاتے ہیں، وہ اپنے دین سے اول تو غافل ہوتے ہیں، اگر جانتے ہیں تو صرف اتنا کہ ہم مسلمان ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ تاثر بھی دماغ پر چھایا ہوتا ہے کہ ہمارا دین زندہ نہیں اور نہ ہمارے یہاں کوئی بڑا آدمی پیدا ہوا، اسکولوں کی اس تعلیم نے اپنے کھلے اثرات پیدا کرنے شروع کردیے ہیں۔

ضروری ہے کہ ہر مسلمان والدین اپنی اولاد پر نگاہ رکھیں، وہ اپنے بچوں کو ایسے مدارس میں داخل کریں جہاں عام کتابوں کے ساتھ ساتھ دینی کتابیں بھی داخل ہوں، اگر ایسا کرنا مشکل ہے تو جب بچہ اسکول سے پڑھ کر آئے تو اس سے پوچھیں اور جو کچھ اس نے اپنے دین کی خلاف پڑھا ہے، اس کے زہر سے اسکو بچائیں، خارجی اوقات میں اس کو ایسے استادوں کے پاس بٹھائیں جہاں بیٹھ کر وہ اپنے دین سے واقف اور باخبر ہو۔

اس سلسلہ میں اہل علم حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی سمجھ اور جذبہ جیسی نعمت سے نوازا ہے کہ وقت کی اس پکار کو سمجھیں اور آج کے نازک دور کے اس اہم مسئلہ کو اپنا مسئلہ بنائیں۔ ☆☆☆

(راہ عمل)

دعوت دین اور تبلیغ حق

مولانا اسحاق جلیس ندویؒ

اصلاح امت اور تعمیر ملت کی مختلف کوششیں برسوں سے جاری ہیں، مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کے حل اور انہیں سرفراز اور سربلند کرنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی جدوجہد کا ایک تسلسل ہے، لیکن جب ہم ان کوششوں کا تجزیہ کرتے ہیں تو بڑی مایوسی ہوتی ہے کہ مسائل حل اور مصائب کا ازالہ تو نہیں ہوا لیکن سفینہ ملت نئے مسائل ومشکلات کی گرداب میں ہے، قیادت ورہنمائی کے مقام کا ذکر ہی کیا، ہر قسم کی رسوائیوں سے یہ ملت آئے دن دوچار ہوتی رہتی ہے، صاف محسوس ہوتا ہے کہ عالم اسلام بجلیوں کے زد میں ہے اور برق نے اسی آشیانے کو نشانہ بنایا ہے، ان تلخ حقائق وواقعات سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے طریقہ کار ہماری سعی وجدوجہد اور ہمارے قومی تعمیر کے منصوبوں میں کہیں نہ کہیں خامی ضرور ہے، احتساب اور جائزے کا یہ فرض ہمیں برسوں پہلے انجام دینا چاہیے تھا اور پوری بصیرت کے ساتھ حالات وتجربات سے سبق سیکھتے ہوئے تعمیر ملت کے نئے سفر کا آغاز کرنا ضروری تھا

صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

ملت کی تاریخ میں ایسے کئی حوادث پیش آئے جن سے درس عبرت حاصل کرکے قافلہ ملت ایک روشن مستقبل اور تابناک منزل کی طرف گامزن ہوسکتا تھا، اسپین میں مسلمان آٹھ سو سال تک مثالی حکمراں رہے، جن کی دینی، علمی، تہذیبی اور انتظامی صلاحیتوں نے یورپ کو احساس کمتری میں مبتلا کردیا تھا، عرصہ تک عیسائی دنیا اندلس کی مسلم قیادت کے مقابل ایک سعادت مند شاگرد اور نیاز مند خادم کی حیثیت سے رہی، مگر حالات کی ایک ہی کروٹ میں مسلمان اندلس سے اس طرح ختم کردیے گئے کہ صدیوں سے مسجد قرطبہ اذان کو ترس رہی ہے اور اندلس کی فضا خدا کے ذکر اور اس کی کبریائی کے کلمات سے محروم ہے، تاریخ کے صفحات نے اسی سرزمین میں ہمارے فاتحانہ داخلہ کا محیر العقول واقعہ بھی ریکارڈ کیا ہے، جب طارق بن زیاد چند ہزار فرزندان توحید کے ساتھ سمندر کا سینہ چیرتے ہوئے اس عزم کے ساتھ اندلس پہنچے تھے کہ کامیابی یا شہادت، اپنے ہاتھوں سے کشتیاں جلاکر راہ فرار انہوں نے مسدود کردی اور ہر پھر ع

ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

کے یقین سے سرشار ہوکر حریفوں پر غالب آئے، اسی اندلس میں آٹھ سو سالہ شان وشوکت اور سطوت وجبروت کی حکمرانی کے بعد مسلمانوں پر زمین تنگ ہوگئی، ہزاروں مسلمان عیسائیوں کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر گئے، ہزاروں ارتداد کا شکار بن گئے، ہزاروں کو سمندر کی گہرائی نے اپنے دامن میں ابدی پناہ دیدی، مسلمانوں کی تاریخ نے اس حادثہ میں احتساب وجائزے کا ایک موقع فراہم کیا تھا، اگر اس واقعہ سے عبرت حاصل کی جاتی تو عجب نہیں کہ: ”عَسٰی اَنْ تَکْرَھُوْا شَیْئًا وَّھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ“ کے قرآنی اصول کی کارفرمائی کا مشاہدہ دنیا کرتی، لیکن ایسا نہیں ہوا، ہم صرف نوحہ خوانی اور ماتم سرائی کرکے رہ گئے۔

بارہ ہزار کی تعداد طارق بن زیادؒ کے ساتھ تھی اور اتنے ہی سپاہیوں کے ساتھ بابر نے ہندوستان میں آکر مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی، مغل شہنشاہیت نے اس ملک کے چپہ چپہ پر اپنے انمٹ نقوش ثبت کیے، اس نے مختلف ٹکڑیوں میں منتشر اس ملک کو شمال سے جنوب تک متحد کرکے ایک مرکز تلے جمع کردیا، اگر مسلمان اس ملک میں نہ آتے تو متحدہ ہندوستان یا وشال بھارت کا خواب ہرگز شرمندہ تعبیر نہ ہوتا، نہ وشال بھارت کے صحیح خدوخال سے ہندوستانی آشنا ہوتے۔

غوری، خلجی، تغلق، سوری، لودھی اور پھر مغل کے نام سے اس ملک میں مسلمانوں کی حکمرانی کا دور آٹھ سو سال سے کم نہیں، مگر ۱۸۵۷ء میں آخری مغل تاجدار کو لال قلعہ کی در ودیوار پر حسرت کی نظر ڈال کر رنگون جلاوطن ہونا پڑا، حتیٰ کہ دفن کے لیے اپنے وطن کی دو گز زمین کے لیے یہ شہنشاہ ترس کر رہ گیا ؂

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں

اس اندوہناک انقلاب کے بعد سقوط وزوال کا سبب قرآن وحدیث میں تلاش کیا جاتا تو کلام الٰہی اور ارشادات نبوی کی رہنمائی سے ہرگز مایوسی نہ ہوتی، مگر یہ نہ ہوسکا۔

خلافت عثمانیہ کا خاتمہ تاریخ ملت کا ایک عظیم سانحہ تھا، ہم نے اس نقصان کو محسوس کیا، ہم تڑپ اٹھے، بے چین ہوئے، ہم نے ترکی خلافت عثمانیہ کے استحکام وبقاء کے لیے ہندوستان میں خلافت تحریک چلائی، جس تحریک نے اس ملک کی قومی زندگی کے آسمان وزمین بدل دیے، ہم نے یہ دہائی بھی دی کہ مسلمانوں سے فتح ایوبی کا انتقام کب تک لیا جائے گا، ہم نے اس کا مرثیہ بھی خوب کہا، حقیقت کا انکشاف بھی صحیح کیا کہ ؂

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ

لیکن مومن کی سادگی کا علاج اور غیروں کی عیاری کا کوئی توڑ تو ہم نہ کر سکے، ہنوز امت مسلمہ فریب مسلسل کا شکار ہے، اور دنیا کی ترقی یافتہ اقوام وممالک کے لیے خوان یغما اور رزم چارہ بنی ہوئی ہے، ماہ جون کی انہی تاریخوں میں صرف چھ سال یہودیوں کے ہاتھوں جس شرمناک شکست سے عرب دوچار ہوئے، اس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی، قبلہ اولیٰ کے چھن جانے کا حادثہ جانکاہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے کے لیے غیر موثر ثابت ہوا، خود عرب ممالک بدستور آپس میں دست گریباں اور ناؤنوش میں مبتلا ہیں، غیر عرب مسلم ممالک اپنے اپنے مسائل میں اس قدر الجھے ہوئے اور غیرت ایمانی سے اس قدر دور کہ ان کے کسی قائد میں صلاح الدین ایوبیؒ کی سی بے چینی ڈھونڈے نہیں ملتی، احساس زیاں کا وہ فقدان کہ عرب اور غیر مسلم ممالک کے کسی سیاح کو یہ دیکھ کر بڑی مایوسی اور حیرت ہوتی ہے کہ پے در پے ہزیموں اور رسوائیوں کے باوجود زندگی کی تعیشات، آرام وآسائش کے نظام اور عشرت کدوں کی آبادی میں کوئی فرق نہیں، طاؤس ورباب کی چہار طرف فرماں روائی ہے، اور شمشیر وسنان اور کتاب امت کا باب جہاد طاق نسیاں بن چکا ہے۔

فلپائن جہاں مسلمان دو سو سال تک بلا شرکت غیرے حکمراں رہے، ان دنوں خون مسلم کی ارزانی سے لالہ زار ہے، مسلمانوں کی تاریخ کے ان چند واقعات کے ذکر سے ہمیں مسلمانوں کے پیچیدہ مسائل کی عقدہ کشائی میں یقیناً مدد ملے گی اور ہم اس سرے کو پالیں گے، جس سے گم ہو جانے کی وجہ سے ملت کی قسمت پر گرہوں پر گرہیں پڑتی چلی جا رہی ہیں، کسی اعلیٰ وارفع مقصد سے عشق ولگن اور کسی واضح نصب العین کے لیے مشترکہ جدوجہد کے جذبہ کے فقدان نے اس ملت کو اپنوں کے ہاتھوں پامال اور غیر کے ہاتھوں ذلیل کر دیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں اسلامی لشکر کو ایک مضبوط قلعہ فتح کرنے میں بڑی دقت پیش آرہی تھی، عرصہ تک محاصرہ جاری رہا، امیر لشکر نے اپنی دشواری اور فتح میں تاخیر کی اطلاع امیر المومنین حضرت عمرؓ کو دی، مدینہ مرکز خلافت سے جواب آیا کہ تحقیق کرو کہ کہیں کوئی سنت تو ترک نہیں ہو رہی ہے؟ امیر لشکر اور مجاہدین نے غور کیا تو احساس ہوا کہ مسواک کا اہتمام نہیں ہو رہا ہے، فوراً عمل شروع ہوا، رومیوں نے جب قلعہ کی فصیل سے تمام مسلمانوں کو مسواک کرتے دیکھا تو ان پر یہ خوف طاری ہوا کہ یہ لوگ دانت تیز کر رہے ہیں ہمیں کچا چبا جائیں گے، ڈر اور ہیبت سے انہوں نے قلعہ خالی کر دیا اور مسلمان اس پر قابض ہو گئے۔

یہ واقعہ اپنے اندر بڑی بصیرت اور دعوت عمل رکھتا ہے، ایک مستحب سنت کا احیاء کامیابی کی کلید بن جاتا ہے، مگر ہم صدیوں سے اجتماعی شکل میں مستحب سنت ہی نہیں بلکہ فرض کفایہ ترک کر چکے ہیں، وہ فرض کفایہ ہے دین حق کی دعوت وتبلیغ، جس فرض کفایہ کو ادا کر کے عرب کے بادیہ نشین روم وفارس کی دو عظیم سلطنتوں کے مالک اور زمین کے وسیع رقبہ کے حکمراں بن گئے، دین اسلام جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہونچا۔

اس فرض کفایہ پر اگر ہم اسپین میں عمل کرتے تو دنیا کی تاریخ بدل جاتی، یورپ حلقہ بگوش اسلام ہوتا اور صنعتی انقلاب، نشاۃ ثانیہ کے بعد کی اس کی تمام سائنسی اور صنعتی ترقی کا کریڈٹ مسلمانوں کو حاصل ہوتا، اس فرض کفایہ کی ادائیگی اسی جذبہ سے ہندوستان کے مسلمان حکمراں کرتے جس جذبہ تبلیغ ودعوت کا نمونہ عصر رسولؐ، دور خلفائے راشدینؓ میں ہمیں نظر آتا ہے، اور جس کی ایک جھلک عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں دیکھی گئی تو ۱۸۵۷ء کی رسوائی اور ناکامی پیش نہ آتی، ۱۸۵۷ء میں جس بازی کو ہم ہار چکے تھے اگر ۱۸۵۷ء کے بعد اسے پھر جیتنے کی سنجیدہ کوشش دین حق کی تبلیغ واشاعت کے ذریعہ کی جاتی تو ۱۹۴۷ء میں ہم رقبہ اور قلت تعداد کے نتیجہ میں اس نقصان کا شکار نہ ہوتے جو موجودہ جمہوری دور اور بندوں کو گننے والی سیاست میں صدیوں تک ہمیں بھگتنا پڑیگا، آخرت کی جوابدہی اور فلاح ونجات کے علاوہ خالص قومی اور سیاسی نقطہ نظر سے بھی ہماری یہ غفلت حیرت انگیز ہے، فرانس کا وہ انقلاب جسے روسو اور والٹیر کی تحریروں نے غذا پہنچائی، جس انقلاب کی کامیابی نے گویا موجودہ جمہوری نظام کی داغ بیل ڈالی ایک نوشتہ دیوار تھا، جس میں آنے والے دور میں عددی قوت کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا تھا، کاش ہم اس نوشتہ دیوار کو پڑھ کر تبلیغ دین کی جدوجہد کو منظم اور تیز تر کرتے، امریکہ کی وہ جنگ آزادی جس کے ہیرو ابراہیم لنکن نے امریکہ ہی نہیں بلکہ مستقبل کی دنیا کے نظام حکومت کو اس جملے میں ادا کیا تھا:

”عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے“۔

کاش! ہم اس جملے میں پنہاں معنی ومفہوم کی طرف متوجہ ہو کر اپنی عددی قوت میں اضافہ کو اولین اہمیت دیتے، ہماری کوتاہی کا ہمیں جو نقصان پہنچا اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ انسانیت اس دین سے ناآشنا رہی جس پر نجات کا دارومدار ہے، دنیا کے ہزاروں انسان حالت کفر میں مر رہے ہیں جنہیں ایمان واسلام کی شاہراہ مستقیم پر گامزن کرنے کی ذمہ داری ہم پر تھی۔

ماضی کی غفلت حال کے لیے تازیانہ بن جائے اور مسلمان دعوت وتبلیغ کے اصل اور اہم کام کو اپنا لیں تو آج بھی ایسے امکانات ہیں جن سے مستقبل میں بہتر نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، آج بھی دین کی دعوت وتبلیغ کے دو میدان ہیں، ایک مسلمانوں میں دوسرا غیر مسلموں میں، مسلمانوں میں ”یا ایها الذین آمنوا آمنوا“ کی صدا لگا کر کہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ، ایمان کامل کے جو تقاضے ہیں انہیں پورا کرو، ایمان کامل اگر مسلم معاشرہ میں پیدا ہو گیا تو کوئی جاہلی نعرہ اور نسلی، قومی ولسانی تحریک مسلمانوں کو اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کے مقابل صف آرا کرنے میں کامیاب نہ ہوگی، ”المسلم من سلم المسلمون بلسانه ويده“ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے اس کا مسلم بھائی محفوظ رہے، مسلمان وہ ہے جو اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، وہ شخص سچا مسلمان نہیں جو خود پیٹ بھر کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو، اسلام کی یہ وہ تعلیمات ہیں جن پر مسلم معاشرہ عمل کر کے ایک مثالی معاشرہ بن سکتا ہے، ایک ایسا شجر سایہ دار جس کے سائے میں ہر شخص پناہ لے سکے، ٹھنڈک پا سکے، مسلمانوں میں اصلاح وتبلیغ کی کوششوں کے مفید نتائج ہمارے سامنے ہیں، اصلاحی وتبلیغی تحریک نے ہزاروں نسلی مسلمانوں کو خدا آشنا، با اخلاق اور عملی مسلمان بنایا ہے۔

دعوت وتبلیغ کا دوسرا اہم میدان غیر مسلموں میں ہے، ملت اسلامیہ کے ہر فرد پر چاہے وہ کسی بھی حیثیت، عمر وصلاحیت کا ہو، امر بالمعروف اور ابلاغ حق کی ذمہ داری ہے، اس ملک میں ہزار سال سے ہم رہ بس رہے ہیں، قیامت کے دن ہمارے پاس اپنے برادران وطن کے تعلق سے اس سوال کا کیا جواب ہوگا کہ کیا تم نے دین حق ان لوگوں تک پہنچایا؟ حقیقت تو یہ ہے کہ تبلیغ دین کے لیے جس دلسوزی، محنت اور خلوص کے ساتھ منظم جدوجہد کی ضرورت تھی، اس میں ہمارے سلاطین، امراء عوام وخواص، (باستثناء چند) مجرمانہ حد تک غفلت برتتے رہے، کم وبیش یہی حال پوری مسلم دنیا کا تھا۔

آج کے حالات میں دعوت دین اور تبلیغ اسلام کی ضرورت کا جب بھی کہیں ذکر آیا تو مصلحت پسندی اور محتاط روی نے حالات کی ناسازگاری اور اسلام ومسلمانوں کے خلاف پھیلی ہوئی عصبیت، دشمنی اور غلط کا عذر پیش کر دیا، لیکن اس بدیہی حقیقت کو ہم کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت تاریخ کے کسی دور میں بھی سازگار حالات اور استقبال کے ماحول میں نہیں ہوئی، عصر رسولؐ میں دین کے اشاعت کے لیے جن مصائب ومشکلات سے حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کو گذرنا پڑا اس کا مذاکرہ ہم رات ودن کرتے رہتے ہیں، بعد کے دور میں تبلیغ اسلام کی تاریخ ساز انفرادی یا اجتماعی مساعی انتہائی ناساعد حالات میں کامیاب ہوئیں، تاریخ میں تنہا تاتاری قوم کا مسلمان ہونا ایک ایسا واقعہ ہے، جس کی نظیر نہیں، موجودہ سائنٹفک اور دور نے پھر ایک مکان پیدا کر دیا ہے، دنیا کی کرب وبے چینی، ڈالر کی فروانی، مادیت کے عروج، معیار زندگی کی بلندی کے باوجود اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، انسان اپنے مقصد وجود سے لاعلم اور اپنے انجام سے بے خبر ہے، سکون واطمینان قلب کی نعمت اس سے کھو گئی ہے، جس کی تلاش میں وہ پتھر کے زمانے اور دور وحشت وبربریت کی طرف لوٹنے پر آمادہ ہے، ہپی ازم اسی رجعت اور مایوسی کا واضح ثبوت ہے، ہمارے ملک کے تعلیم یافتہ برادران وطن اپنی میتھالوجی کا تمسخر کرتے ہیں اور اپنے غیر فطری مذہب سے باغی ہیں، انہیں اب تک دین فطرت کی اس شاہراہ سے متعارف نہیں کرایا گیا جس پر زندگی کا قافلہ گذر کر دنیا وآخرت کی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتا ہے، اسلامی تعلیمات سے اکتساب فیض کر کے ہم دنیا کو بہت کچھ دے سکتے ہیں، ہم اس دعوت کے امین ہیں جس نے انسانیت کو صحیح مقام کیا، جس نے مظلوموں کی دادرسی کی، جس نے صنف نازک کو حقوق دلائے، جس نے انسان کو انسان کی بندگی سے نجات دی، جسے تاریخ نے آزمایا اور کامیاب پایا اور جب بھی انسانی دنیا اسے رفیق، رہنما اور منزل بنائے گی، اسے اپنی ہستی کا جواب مل جائے گا۔

تجربات نے ثابت کر دیا کہ کسی ملک کا حصول یا آزادی ہمارے مسئلہ کا حل اور ہمارے عروج وترقی کا ذریعہ نہیں، دنیا میں آزاد مسلم ممالک کی تعداد کسی دوسری قوم سے کم نہیں، دولت اور خوشحالی ہمارے مسائل کا حل نہیں، بعض مسلم ممالک میں دولت کی اس قدر بہتات ہے کہ وہاں کے عوام کی اوسط آمدنی امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک کے عوام کی اوسط آمدنی سے زیادہ ہے، علوم وفنون میں ترقی ہماری ترقی کی ضمانت نہیں بن سکتی، ہم اس میدان میں لاکھ ترقی کے باوجود ترقی یافتہ ممالک کے شاگرد اور مقلد ہیں، مسلمانوں کے لیے ایک ہی مختصر راستہ شارٹ کٹ ہے اور وہ ہے تبلیغ دین کا راستہ، جس لمحہ غیر مسلموں میں نفوذ اور دعوت دین کا سرا تلاش کرنے میں ہم کامیاب ہوں گے اسی لمحے ہمارا دعوتی دین اور فطری نظام حیات جہنم کی طرف سرپٹ دوڑنے والی قوموں کا رخ جنت کی طرف موڑنے میں کامیاب ہوگا اور کیا عجب کہ ”خيار كم في الجاهلية خيار كم في الاسلام“ کے تحت ترقی یافتہ قوموں کی تمام ترقی قوموں کی تمام ترقیاں، مغرب کا سائنسی عروج، مشرق بعید کی صنعتی ترقی اور وسط ایشیا کی عددی قوت اسلام اور انسانیت کی خادم کہلانے میں فخر محسوس کرے۔

وماذالك على الله بعزيز.

☆☆☆☆☆

(نشان منزل)

طوفان سے ساحل تک

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری

یہ دو دن میں کیا ماجرا ہوگیا، یہ کیسا انقلاب آگیا، تاریکی تھی روشنی آگئی، فضا میں سخت تپش اور گرمی تھی، ہر چیز جھلس ہی نہیں رہی تھی بلکہ پورا ملک جل رہا تھا کہ اچانک موسم تبدیل ہوگیا، خنک ہوائیں چلنے لگیں، باران رحمت نے پوری فضا کو خوشگوار اور موسم خزاں کو بہار میں تبدیل کردیا، جو لوگ مایوس تھے ان کے اندر اضمحلال کے بجائے نشاط وتازگی آگئی، ان کے ایمان ویقین کی شمع اور تیز ہوگئی۔

"وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ". (اور وہی ہے جو اتارتا ہے مینہ، بعد اس کے کہ آس توڑ چکے تھے اور پھیلاتا ہے اپنی رحمت، اور وہی ہے کام بنانے والا سب تعریفوں کے قابل)۔ [الشوریٰ/۲۸]

اس آیت پر غور کیجیے تو مسلمانوں کے عروج و زوال کی پوری تاریخ آپ کی نگاہوں کے سامنے چلتی پھرتی اور "جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید ڈوبے ابھرتے" نظر آئیں گے، ہم خود اپنے ملک کی تاریخ پر غور کریں اور ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے واقعات وحوادث کا تجزیہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اس امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خاص معاملہ ہے۔

آپ یاد کیجیے اور معلوم نہ ہو تو مستند تاریخ پڑھیے کہ جب انگریزوں نے اس ملک پر قبضہ کیا تو انہوں نے چند سال کے اندر بغاوت کے الزام میں (ایک غیر مسلم مؤرخ کی تحقیق کے مطابق) ایک کروڑ مسلمانوں اور پچاس ہزار علماء کو قتل کرڈالا، دوسری طرف ان انگریزوں نے محکوموں کو ذہنی ونفسیاتی طور پر توڑنے اور تعلیم کے تیزاب میں ان کی خودی کو پگھلانے کی پوری کوشش کی، عیسائیت کی تبلیغ کے لیے سارے وسائل اختیار کیے، انگریزوں کی ثقافت و تہذیب اور ان کی قدروں کو اختیار کرنا روشن خیالی اور ترقی پسندی کی علامت سمجھی جانے لگی، ۱۹۴۷ء تک یہ حال تھا کہ اگر کسی سڑک یا محلہ سے کوئی انگریز گزر جاتا تو کئی روز تک مرعوبیت کے ساتھ اس کا تذکرہ ہوتا تھا، یہ اس قوم کا حال تھا جس کی مملکت میں سورج غروب نہیں ہوتا تھا، لیکن جو ذات بڑے بڑے پہاڑوں کو اپنی قدرت سے پیس کر رکھ دیتی ہے، اسی نے دوسری جنگ کے ذریعہ اس سپر پاور کو صرف ایک جزیرہ تک محدود کرکے اسے اپنے خول میں بند کردیا، انگریز استعمار کا رعب ودبدبہ ختم ہوا تو ہندوستانی مسلمان تقسیم کی چکی میں پیس دیے گئے، اس ملک میں کوئی سوال ہی نہیں تھا کہ مسلمان جن کا شیرازہ پورے ملک میں بکھرا ہوا ہے، دوبارہ جمع ہوسکیں گے، جن شہروں سے مسلمانوں کا پوری طرح صفایا ہو چکا ہے اور ان کی مسجدیں ویران کی جاچکی ہیں، اور مسلمان بھیک مانگنے اور رحم کی اپیل کرنے کی پوزیشن میں آچکے ہیں، ہر طرف سے ان کو برہمنی تہذیب کے سانچہ میں زبردستی ڈھالنے کی تیاری پر لوگ کمربستہ ہیں، متعصب لیڈران صبح وشام دھمکی دے رہے ہیں، اسپین کی طرح اس ملک سے مسلمانوں کو پوری طرح نکالنے کا پروگرام بن چکا ہے، انسان کش فسادات کے ذریعہ اس کا آغاز بھی ہو چکا ہے، جب کہ مسلمان تقسیم کی وجہ سے ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے، ہم ۶۶ سال پہلے ہندوستانی مسلمانوں کی پوری تصویر پیش کرنے سے عاجز ہیں، اس لیے قرآن مجید کا سہارا لے کر ان کی تصویر قرآن مجید کی تعبیر میں پیش کر رہے ہیں:

"وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ" (یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے، مغلوب پڑے ہوئے ملک میں، ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ)۔ [الانفال/۵]

مسلمانوں میں سے جدید تعلیم یافتہ اور جو خوش حال تھا، ان کی خاصی تعداد ہجرت کرچکی تھی، یہاں کمزور اور معاشی وتعلیمی لحاظ سے پسماندہ لوگ رہ گئے تھے، بہت سے شہروں میں مسلمانوں کی آبادی بھی نہیں تھی، تقسیم کے وقت ہندوستانی مسلمانوں کی تعداد آٹھ کروڑ تھی، وہ اکثریت کے انتقام سے ہر وقت لرزاں وترساں رہا کرتے تھے، ذہنی اور نفسیاتی طور پر شکست خوردگی کا احساس ان پر غالب تھا، گنتی کے جو چند دینی مدارس اور روحانی مراکز تھے، وہ بھی اضمحلال اور مایوسی کا شکار تھے، لیکن جسے خدا رکھے اسے کون چکھے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا کہ:

"فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ". (پھر اس نے تم کو ٹھکانا دیا اور قوت دی تم کو دین سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تاکہ تم شکر کرو)۔ [الانفال/۵]

اللہ تعالیٰ کا وہی خصوصی معاملہ ہوا جو ہمیشہ سے مسلمانوں کے ساتھ ہوتا آیا ہے، یعنی آزمائش اور امتحانات کی شدت اور طوفانوں سے ان کی جانچ، پھر بھنور سے کشتی نکال کر ساحل تک پہونچانا۔

حفاظت جس سفینے کی انہیں منظور ہوتی ہے
کنارے تک اسے خود لا کے طوفاں چھوڑ جاتے ہیں

مسلمانوں کی تعداد آٹھ کروڑ سے بڑھ کر پچاس سال کے اندر اٹھارہ سے بیس کروڑ ہوگئی، صنعتی اور معاشی ترقی کے میدان میں مسلمان زندگی کا ثبوت دینے لگے، خلیجی ملکوں میں پٹرول کے انکشافات نے ہندوستانی مسلمانوں کے معاشی استحکام میں بنیادی پتھر کا کام کیا، دینی مدارس اور تعلیمی مراکز، صباحی اور

شبینہ مکاتب کے جال بچھ گئے، جن مدارس کا بجٹ سینکڑوں اور ہزاروں میں ہوتا تھا وہ کروڑوں میں بننے لگے، ایک ایک مدرسہ کے تحت سینکڑوں مکاتب قائم ہونے لگے، دعوتی میدانوں میں یہاں کے مسلمانوں نے پہلے ملک گیر سطح پر پھر عالم گیر سطح پر دعوت وتبلیغ کے ذریعہ پوری دنیا کے مسلمانوں سے رابطہ قائم کیا، اس کی وجہ سے یہاں کے مسلمانوں میں اپنے دین سے مستحکم رشتہ قائم ہوا اور خود اعتمادی بھی ان کے اندر پیدا ہوئی، علمی میدانوں میں تحقیق و تصنیف کے ساتھ مسلمانوں کے ہر طبقہ کے اندر دینی شعور کی بیداری کے لیے نصابی کتابوں کے ساتھ دیگر علمی ودینی، اخلاقی وسماجی، اقتصادی اور تاریخی وادبی موضوعات پر بکثرت کتابیں تیار کیں اور اخبارات و رسائل بھی انہوں نے نکالے، اردو کے ساتھ مقامی اور علاقائی زبانوں میں غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہونچانے کے لیے دعوتی لٹریچر بھی تیار کیا اور یہ کام روز بروز بڑھ رہا ہے، ہندوستان کے ہر صوبہ اور ہر ضلع وقصبہ میں مسلمانوں کے بے شمار رفاہی، تعلیمی، سماجی اور ثقافتی ادارے قائم ہیں، سیاسی اور دینی و دعوتی جماعتیں سرگرم عمل ہیں، ملک گیر سطح پر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جیسا باوقار ادارہ قائم ہوا جو یہاں کے مسلمانوں کا نشان امتیاز اور اس ملک میں مسلمانوں کا نقش جمیل اور وقار واعتبار قائم کرنے میں بورڈ نے جس حکمت وتدبیر اور اتحاد واتفاق سے کام کیا، وہ مسلم ممالک کے لیے بھی نمونہ ہے۔

مسلمانوں کے یہ سارے کام ایسے حالات میں ہورہے ہیں جب کہ نصف صدی سے انسانیت کش فسادات کا سیلاب تسلسل سے آرہا ہے ان میں سے ہر سیلاب اپنی تباہی کے لحاظ سے سونامی طوفان کو شرما دینے کے لیے کافی ہے، نائن الیون کے منحوس ڈرامے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں پر بھی اس کی مشق شروع کردی گئی اور پورے ملک میں ان کے خلاف طوفان آگیا، لیکن مسلمانوں نے صبر وضبط اور تحمل سے کام لیا، نتیجہ سامنے ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کے مقابلہ میں یورپ و امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے حالات کا تجزیہ کریں گے تو بھی آپ کا یہ یقین تازہ ہوگا کہ اسلام اس دنیا میں باقی رہنے کے لیے ہی آیا اور قیامت تک رہے گا: "وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ".

امریکہ میں ۱۹۶۰ء تک مسلمانوں کا وجود نہ ہونے کے برابر تھا، اب ان کی تعداد نوے لاکھ سے ایک کروڑ تک ہے، اس اعتبار سے مساجد کی تعداد بڑھ رہی ہے، اسی طرح یورپ کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں نے پچاس سال کے مختصر عرصہ میں اپنی جو شناخت بنائی اور جس طرح اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور شدید بغض وعداوت اور مخالفتوں کے طوفانوں میں بھی ہدایت کا یہ چراغ جس طرح نہ صرف اپنی روشنی قائم رکھے ہوئے ہے بلکہ چراغ سے چراغ جلتے جارہے ہیں، وہ تمام مسلمانوں کے لیے باعث تقویت ہے، براعظم یورپ کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد اڑتیس ملین ہے، یعنی یورپ کی کل آبادی کا دس فیصدی اور عیسائیت کے بعد مذہب کے اعتبار سے اسلام دوسرے نمبر پر ہے، ان ملکوں اور شہروں کی تعداد ۲۶ ہے جہاں مسلمانوں کے تعلیمی، ثقافتی اور رفاہی و دعوتی ادارے باقاعدہ قائم ہیں، نائن الیون کے بعد سے یورپ میں بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سنامی طوفان آگیا، لیکن اس شر سے خیر کا یہ پہلو سامنے آیا کہ صرف جرمنی، ہالینڈ، بلجیم، آسٹریا اور فرانس میں صرف ایک سال کے اندر ایک لاکھ چودہ ہزار انسانوں نے اسلام قبول کیا۔

ویٹکن سٹی کے مذہبی سربراہ نے اسلام کے خلاف بیان دیا کہ وہ بڑی تیزی سے یورپ میں پھیل رہا ہے، اس بیان کے پس پردہ یہ خبر تھی کہ عیسائی تنظیموں نے ایک ہزار بلین ڈالر خرچ کرکے دس سال کے اندر آٹھ سے دس ملین افریقیوں کو عیسائی بنایا تھا، لیکن اس کے بالمقابل بغیر کسی منظم منصوبہ بندی اور ایک ڈالر خرچ کیے اکیس ملین افریقی اسلام میں داخل ہوگئے۔

برطانیہ کے ماہرین اعداد وشمار کا کہنا ہے کہ بیس سال کے اندر برطانوی نومسلموں کی تعداد ان مسلمان تارکین وطن کے برابر ہوجائے گی یا اس سے بڑھ جائے گی جو اس مذہب کو لے کر یہاں آئے ہیں، ایک سروے کے مطابق پندرہ لاکھ مسلمانوں کی آبادی میں دس ہزار سے بیس ہزار لوگ اسلام قبول کرتے ہیں، ان میں بڑی تعداد خواتین کی ہے، اسلام قبول کرنے والوں میں نوجوانوں کی تعداد زیادہ ہے۔

قرآن مجید نے انبیاءؑ کے تذکرے اسلوب بدل بدل کر کیے ہیں تاکہ ہم ان کے حالات پر غور کرکے اپنے اندر ایمان ویقین کی شمع روشن کریں، وہ بتاتا ہے کہ انبیاءؑ کی اتنی غیر معمولی آزمائش ہوئی کہ مایوسی کی کیفیت پیدا ہونے لگی، اور انہیں خیال ہوا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ نصرت الٰہی کا وعدہ پورا نہ ہو، وہ بے اختیار کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی مدد بہت قریب ہے۔

رحمت خداوندی اور مسلمانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص معاملہ کو دیکھ کر ہمارے اندر جذبہ شکر پیدا ہونا چاہیے، اس شکر کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ غیروں میں بھی دعوت دین کا کام تیزی سے کریں، اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملہ کو بہتر سے بہتر بنائیں اور جو باتیں اس کی رحمت سے دور رکھنے اور اس کی ناراضگی کا سبب بن رہی ہیں، ان سے اپنے کو بچائیں، اور گذشتہ حالات کو یاد کرکے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کو اپنا شعار بنالیں اور صبر واستقامت کے ساتھ دعا ودعوت کو اپنا مشغلہ بنالیں۔

☆☆☆☆☆

ابر رحمت

رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم)

مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے بعد صفوان بن امیہ جدہ (مکہ کا ساحل) کی طرف نکل گیا تاکہ وہ وہاں سے یمن چلا جائے، عمیر بن وہبؓ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ! صفوان بن امیہ اپنی قوم کا سردار ہے اور وہ آپ سے بچنے کے لیے سمندر میں کودنے کو تیار ہے، اسے آپ پناہ دے دیجیے تاکہ وہ یہ انتہائی قدم نہ اٹھائے اور اس کی جان بچ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جاؤ اسے امان ہے، انہوں نے دوبارہ عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسی نشانی دے دیجیے جسے دیکھ کر اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان دیے جانے کا یقین آجائے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمیرؓ کی درخواست پر ان کو اپنا وہ عمامہ عطا کردیا جسے باندھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔

حضرت عمیرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ لے کر روانہ ہوئے، جب وہ ساحل پر پہونچے تو دیکھا کہ صفوان کشتی پر سوار ہی ہوا چاہتا ہے، فوراً لپک کر اس کے پاس پہونچے اور کہا: صفوان! تم پر میرے ماں باپ قربان، کیوں اپنے آپ کو ہلاک کیا چاہتے ہو، یہ دیکھو میں تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے امان کی خوشخبری لے کر آیا ہوں، اس نے جھڑک کر جواب دیا، دور ہٹو اور مجھ سے بات مت کرو، حضرت عمیرؓ نے پھر نرمی سے سمجھایا کہ دیکھو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ہی خاندان کے تو ہیں، ان کی عزت تمہاری عزت ہے اور ان کی حکومت تمہاری حکومت ہے، وہ بڑے حلیم، نرم مزاج اور پاک طینت ہیں، میرے ماں باپ تم پر قربان، چلو یہاں سے واپس چلو، اس نے کہا: مجھ ڈر ہے کہ وہ مجھے مار ڈالیں گے، حضرت عمیرؓ نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کر ہی نہیں سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت وسماحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اجازت ہی نہ دے گی۔

جب اسے کچھ اطمینان ہوا تو وہ حضرت عمیرؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ واپس چلا آیا اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یہ عمیر بن وہبؓ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے امان دیدی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بالکل سچ کہتے ہیں، میں واقعی تمہیں امان دے چکا ہوں، اس نے عرض کیا کہ مجھے دو مہینے غور کرنے کا موقع دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو کیا؟ جاؤ تمہیں چار مہینے کی مہلت ہے۔

[أخرجه ابن اسحاق كما في البداية والنهاية لابن كثير]

درج بالا قصہ سے اخذ کردہ مسائل وفوائد

☆انبیاء کرامؑ کا وجود نیا کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے نہ باعث زحمت، اسی طرح نائبین انبیاء کا وجود بھی لوگوں کے لیے راحت وآرام کا سبب ہونا چاہیے نہ کہ تکلیف اور پریشانی کا۔

☆قدرت ہوتے ہوئے معاف کردینا اعلیٰ ظرفی وبلند حوصلگی کی بات ہے۔

☆اظہار حقیقت کے لیے دلائل وبراہین پیش کرنا قائل کے سچے ہونے کی علامت ہے۔

☆اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت کی اشاعت اور اس کے فروغ کے لیے مصالحانہ طرز اختیار فرماتے تھے اور تشدد وانتہا پسندی سے اجتناب کرتے تھے۔

☆اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح لوگوں کو اسلام میں داخل کرنے کے لیے بیتاب وبیقرار رہا کرتے تھے۔

☆صحابہ کرامؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور حلم وبردباری پر اس درجہ اعتماد تھا کہ حضرت عمیرؓ بن وہب نے صفوان بن امیہ سے پورے وثوق کے ساتھ اس بات کی ضمانت لے لی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے معاف کردیں گے۔

☆استعارہ کا استعمال جائز ہے کہ حضرت عمیرؓ نے صفوان کے بحری سفر کو سمندر میں کود پڑنے سے تعبیر کیا۔

☆اعزاء واقارب کی ایمانی اور دینی پہلو سے فکر رکھنا ان کے ساتھ حسن سلوک ہے۔

☆اسلام نے اظہار رائے کی آزادی دی ہے بشرطیکہ وہ کسی دینی نقصان کا سبب نہ بن جائے۔

☆☆☆☆☆

تابندہ نقوش

زندہ رکھتی ہے زمانہ کو حرارت تیری

مولانا محمود الازہار ندویؒ

بیت المقدس اسلامی قلمرو میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس معاہدہ کے تحت آیا، جسے خلیفۂ وقت نے مقام جابیہ میں عیسائیوں سے کیا تھا، یہ عہد نامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفہ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا کہ مسلمان دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیسا طرز عمل اختیار کریں، وہ معاہدہ یہ تھا۔

"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے لیے ہے کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے اور نہ ڈھائے جائیں، نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کوئی نقصان پہونچایا جائے، نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہونچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہیں گے، ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں، ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے جب تک وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے، اس کے لیے بھی امن ہے، اس کو ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان ومال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں تا آنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہونچ جائیں، اس تحریر پر خدا، رسولؐ، خلفاءؓ اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں، اس پر خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ گواہ ہیں، ۱۵ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا"۔

مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں، جان ومال اور مذہب اور اس معاہدہ میں ان تینوں چیزوں کی ضمانت ہے، مگر جب صلیبی افواج ۴۹۲ھ میں بیت المقدس میں داخل ہوئیں تو جس وحشت وبربریت اور درندگی کا ثبوت دیا اس پر خود منصف مزاج یوروپین مورخین تک نے ملامت کی ہے اور ان صلیبی مجاہدین کے دل کی حالت کا اندازہ اس خط سے لگایا جاسکتا ہے جسے انہوں نے پوپ کو بطور مژدہ بھیجا:

"اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے، ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ ہمارے سپاہی حضرت سلیمانؑ کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا"۔

اس وقت مسلمانوں کی طاقت صلیبیوں کے خلاف منتشر تھی، خلافت بغداد کے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی، متولیان خلافت بغداد (سلاجقہ) خانہ جنگی میں مبتلا تھے، فاطمیین مصر میں کوئی دم خم نہ تھا، اس وجہ سے بیت المقدس ۹۱ سال تک اغیار کے قبضہ میں رہا، کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ اس کی بازیابی کرے اور صلیبیوں کا جواب دے، تقریباً ۳۰ سال (۵۲۱ھ) کے بعد موصل کی اتابکیہ حکومت نے جس کی بنیاد ابھی مضبوط نہ ہونے پائی تھی، صلیبیوں کے چار اہم صوبوں میں سے تین، انطاکیہ، رہا، اور طرابلس کو آزاد کرالیا اور سب سے اہم، حساس اور قابل قدر صوبہ بیت المقدس صلاح الدین کے حصہ میں آیا کیونکہ نور الدین کی زندگی نے وفا نہ کی۔

صلاح الدین نے بیت المقدس پر قبضہ کرتے وقت صلیبیوں سے جو معاہدہ وسلوک کیا تھا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں کہ بیت المقدس کے تمام مسیحی مرد، عورت اور بچہ کو جزیہ ادا کردینے کے لیے ۴۰ دن کی مہلت ہے اور جب دولتمند عیسائیوں کی خودغرضی کی وجہ سے غریب عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی تو ان کی بے کسی دیکھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلطان سے ایک ہزار عیسائیوں کو بطور غلام لے کر انھیں آزاد کردیا اور جو بوڑھے فدیہ نہیں ادا کرسکتے تھے، انھیں اجازت دی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے واقعات کو نقل کرنے کے بعد لین پول لکھتا ہے کہ جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں، جب گاڈ فرے اور ٹنکرو یروشلم کے بازار سے گذرے تو وہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جاں بلب زخمی لوٹتے تھے، جبکہ صلیبیوں نے بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر مارا تھا، اور زندہ آدمیوں کو جلا دیا تھا اور جب قدس کی چھتوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے تو صلیبیوں نے انھیں وہیں تیروں سے چھید کر گرادیا تھا، جہاں کے اس قتل عام سے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا اور مقدس شہر کو انھوں نے ظلم وبدنامی کے رنگ میں رنگا تھا، جہاں رحم ومحبت کا

وعظ مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کر کے مذبح بنا رہے تھے، اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے اور ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم ہو رہا تھا۔

بیت المقدس چار بار اس قسم کے مدوجزر کا شکار ہو چکا ہے اور ہر بار اس کے پاسبانوں نے اپنی صلاحیت وقوت و خودداری کا ثبوت دیا ہے اور صلیبیوں کے کشت وخون و مذہبی تعصب کا جواب رحم دلی اور فراخدلی سے دیا ہے، صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں صلیبی افواج سے بیت المقدس کو چھینا تو مسجد اقصیٰ میں نور الدین کا بنوایا ہوا منبر جو حلب میں تھا اور صناعی کا بہترین نمونہ تھا، منگوا کر مسجد اقصیٰ میں رکھا اور ۴؍شعبان ۵۸۳ھ میں نماز ادا کی، یہ تاریخی منبر مسجد اقصیٰ میں ۲۱؍اگست ۱۹۶۹ء کی آتشزدگی میں خاکستر ہو گیا، دوسری بار خوارزمی افواج نے ملک صالح نجم الدین ایوب کی قیادت میں ملک کامل کے معاہدہ کے پرخچے اڑا دیے اور تیسری بار برطانوی افواج نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۸ء میں فلسطین پر قبضہ کر لیا اور اس وقت مشہور عیسائی جنرل ایلین بی نے فتح و نخوت اور مذہبی تعصب اور عناد جو اس کے دل میں تھا زبان پر لائے بغیر نہ رہ سکا اور صلاح الدین ایوبی کی قبر پر جو شام میں ہے، اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:

"الیوم عدنا یا صلاح الدین" (اے صلاح الدین آج ہم لوگ واپس آگئے ہیں)، اور اسی قسم کا جملہ فرانسیسی جنرل گارڈ نے کہا تھا: "نحن عدنا یا صلاح الدین" (اے صلاح الدین ہم واپس آگئے ہیں)، جنرل ایلین بی ہی نے فلسطین پر قبضہ کے وقت یہ بھی کہا تھا کہ صلیبی جنگ اختتام پذیر ہوئی، ۱۹۴۸ء سے ۱۹۶۷ء کا طویل سلسلہ مورخین بیت المقدس پر قبضہ کی کوششوں میں شامل کرتے ہیں اور جب ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی افواج نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان نے کہا ہم نے قدس پر قبضہ کر لیا ہے اور ہم یثرب کی راہ میں ہیں اور اسرائیلی نوجوانوں نے مسجد اقصیٰ میں مظاہرہ کرتے ہوئے "مات محمد مات محمد" محمد کا انتقال ہو گیا، محمد کا انتقال ہو گیا، کے دلدوز نعرے لگائے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب کسی اسلامی حکومت پر سیاسی زوال طاری ہوا یا مسلمانوں پر نازک وقت آیا تو کوئی نہ کوئی شخصیت اور حکومت معرض وجود میں آئی، جس نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھال لی، ایک زمانہ تک مسلمانوں میں نئی نئی قوتوں کے ابھرنے کا سلسلہ ایسا قائم رہا کہ ایک خاندان کے زوال کے بعد فوراً دوسرا خاندان اس کی جگہ لے لیتا تھا، مشرق میں بنو امیہ کے زوال کی کمی کو عباسیوں نے پورا کیا، جب عباسی خلیفہ کمزور ہو گئے تو ترک، بنی بویہ اور ترکان سلاجقہ نے اس کی تلافی کی اور ترکان عثمانی نے تو مشرقی یورپ کو روند کر رکھ دیا، سلاجقہ بغداد نے ایک طرف خلافت بغداد کی تولیت کی تو دوسری طرف ایشیائے کوچک کی راہ سے قسطنطنیہ کی فصیل تک پہونچ گئے، قیصر ارمانوس کو گرفتار کر لیا، شام میں بوریہ حکومت قائم کی، اور ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کی حکومت بنی، مگر جب سلجوقیوں کی طاقت کا شیرازہ خانہ جنگی سے منتشر ہوا تو عالم اسلام کو طاقت و توانائی موصل کی اتابکی حکومت اور مصر کی ایوبی حکومت سے حاصل ہوئی اور انھوں نے بیت المقدس و دیگر اسلامی علاقے واگزار کرائے۔

مسلمان کی قیادت جب صحیح اور قابل اعتماد تھی تو مسلمانوں نے صلیبی حملوں کا مقابلہ کیا، فرانس، جرمنی اور برطانیہ کے ڈیوک اور نائٹوں کو مشرق وسطیٰ کی سرزمین کا خاک بننا پڑا مگر آج ہمارا حال یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک ہمارے عزت و ناموس پر قابض ہے، قبلۂ اول پر قابض ہے، سرزمین معراج کو ناپاک کر رہا ہے، اور جو چاہتا ہے کرتا ہے، مسجد اقصیٰ میں آگ لگا رہا ہے، حرم ابراہیمی کو منہدم کر رہا ہے، نمازیوں کو گولیوں کا نشانہ بناتا ہے اور جب عالمی رائے عامہ اس کے خلاف احتجاج کرتی ہے تو وہ مجرموں کو مجنوں و پاگل قرار دے کر اظہار برأت کرتا ہے۔

بیت المقدس کی بازیابی کی کوششیں اسی وقت مفید اور نتیجہ خیز ہوں گی جب خالد بن ولیدؓ جیسی جرأت عمرو بن العاصؓ جیسی حکمت، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسی فوجی مہارت، معاویہ بن ابی سفیانؓ جیسی منصوبہ بند تحریکی صلاحیت، عماد الدین زنگیؒ جیسی قوت عمل اور نور الدین زنگیؒ جیسا جذبہ اور اخلاص اور صلاح الدین ایوبیؒ جیسا عزم وحوصلہ اور قوت ارادی کا پیکر ہو، موصل کی اتابکی حکومت سے صلیبی جنگیں نکال دی جائیں تو اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی، حکومت ایوبیہ مصر سے صلاح الدین کے کارناموں کو الگ کر دیا جائے تو تاریخ اس کو کس نظر سے دیکھے گی، اتابکیوں نے کس طرح صلیبی طاقت کو توڑا، صلاح الدین ایوبیؒ نے کس طرح صلیبیوں کو سرزمین مصر سے دور رکھنے میں کامیابی حاصل کی اور بیت المقدس کی بازیابی کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دی، اس سلسلہ میں انھیں جب اپنوں سے عدم تعاون کا اندیشہ ہوا تو پہلے اس کا خاتمہ ہوا اور اسی اصول پر نور الدین نے دمشق کی بوریہ (سلاجقہ شام) اور صلاح الدین نے ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کی حکومت کا خاتمہ کیا، موصل کی اتابکی حکومت کی گوشمالی کی، فاطمیین مصر کا خاتمہ کیا۔

ہمیں کچھ کرنا ہے تو سب سے پہلے اپنی طاقتوں کو متحد کرنا ہوگا، باہمی اختلاف و انتشار کو دور کرنا ہوگا اور باہمی لڑائی جھگڑا جیسی کمزوری جس سے قرآن کریم نے روکا ہے اور اتحاد و تیاری کا حکم دیا ہے، کو ختم کرنا ہوگا: "وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ" [انفال/۴۶] (مت جھگڑو آپس میں، پس سست ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی ہوا تمہاری)۔ "وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ" [انفال/۶۰] (اور تیاری کرو واسطے ان کے جو کچھ کر سکو تم قوت سے)۔ "وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ" [توبہ/۴۱] (اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو)۔ "إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ" [الصف/۴] (اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے)۔ "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا" [آل عمران/۱۰۳] (اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو)۔

یہ آیات مسلمانوں کو پیغام دیتی ہیں کہ متحد رہیں، دشمن کا مقابلہ کریں، آپس میں نہ جھگڑیں، جہاد کی تیاری کریں اور اس راہ میں مال وجان کو قربان کرنے سے دریغ نہ کریں اور ایمانی حمیت و حمایت، دینی عزم وحوصلہ اور اللہ کی راہ میں مرمٹنے کا جذبہ دکھائیں اور "ایلیا میں یہود نہ رہیں گے" کو حق کر دکھائیں، جنرل ایلین بی اور جنرل گارڈ کے عناد اور بغض کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں اور مقدسات اسلامیہ کی بازیابی میں لگ جائیں

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں

☆☆☆☆☆

رابطہ ادب اسلامی کا سالانہ مذاکرۂ علمی

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر کی طرف سے اس کا سہ روزہ سالانہ (۳۳ واں) سیمینار (مذاکرۂ علمی) جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم، اورنگ آباد کے تعاون سے اورنگ آباد (مہاراشٹر) میں مؤرخہ ۲۵، ۲۶، ۲۷؍محرم ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۹، ۳۰؍نومبر و یکم دسمبر ۲۰۱۳ء بروز جمعہ، شنبہ و یکشنبہ منعقد کیا جانا طے کیا گیا ہے۔

مذاکرۂ علمی کی صدارت عالمی رابطہ ادب اسلامی کے نائب صدر اور اس کے شعبۂ برصغیر کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی فرمائیں گے، مذاکرۂ علمی میں آپ کی شرکت ہمارے لیے باعث مسرت ہوگی۔

مقالہ نگار حضرات اپنی شرکت کے ارادہ اور مقالہ کے عنوان سے ۱۵؍نومبر ۲۰۱۳ء تک مطلع کرنے کی زحمت کریں تاکہ مقالات کی ترتیب وتنسیق میں سہولت ہو، مذاکرۂ علمی کے دوران قیام وطعام کی ذمہ داری منتظمین کی ہوگی۔

موضوع:

"ملت اسلامیہ کے مسائل وقضایا علامہ شبلیؒ اور ان کے معاصر شعراء کے کلام میں"

ذیلی عنوین:

(الف) ۱-علامہ شبلی کی شعری خصوصیات، ۲-شبلی کی شاعری اور ملت اسلامیہ ہندیہ، ۳-شبلی کی نظموں میں ملت کی دردمندی کا تذکرہ، ۴-شبلی کی نظم حادثۂ کانپور کا ادبی پہلو، ۵-کلیات شبلی کے بنیادی موضوعات۔ (ب) ۱-علامہ اقبال کی شاعری میں اسلامی عظمت وسربلندی کے تصورات، ۲-اقبال کی شاعری میں ملت اسلامیہ کی فکرمندی (شکوہ و جواب شکوہ کی روشنی میں)، ۳-اقبال کی شاعری مغربی فکر و فلسفہ کے تناظر میں۔ (ج) ۱-ملت اسلامیہ اور الطاف حسین حالی کی فکرمندی (مسدس کے آئینے میں)، ۲-مسدس حالی، عالم اسلام کے عروج و زوال کی داستان۔ (د) ۱-مشرقی تہذیب کا زوال، اکبر الہ آبادی کی شاعری میں، ۲-مغربی استعمار اور اکبر الہ آبادی۔ (ھ) ۱-علامہ سید سلیمان ندوی کی شاعری میں ملی دردمندی کے عناصر۔ (و) ۱-حفیظ جونپوری کی شاعری میں ملی دردمندی کے عناصر۔ (ز) ۱-صفی لکھنوی، عزیز لکھنوی۔

رابطہ کا مستقل پتہ

دفتر رابطہ ادب اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳
ندوۃ العلماء، لکھنؤ-۲۲۶۰۰۷ (یوپی)
فون وفیکس: 0522-2741221
موبائل نمبر: 9450644216
E-Mail:
rabitaadabelislami@gmail.com

مقام انعقاد کا پتہ

مولانا محمد ریاض الدین فاروقی ندوی
پوسٹ بکس نمبر ۹۱، جامع مسجد،
اورنگ آباد- ۴۳۱۰۰۱ (مہاراشٹر)
فون: 0240-2353541-2233333
موبائل نمبر: 09890034368
E-Mail:
kashif1234@sify.com

(صبح سعادت)

پاک اور پیارا محمدی انقلاب

مولانا امین الدین شجاع الدینؒ

دجالی فتنہ اپنے مذموم مقاصد کے لئے کیسے دلکش لیکن کس قدر پر فریب تعبیریں وضع کر لیتا اور تراش لیتا ہے "زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ" (خوش نما کر دیا شیطان نے ان کی نظروں میں ان کے اعمال کو) کے مصداق...... ایسی ہی اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح "تعمیر نو" کی آڑ میں (یا شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ) "تعمیر جنوں" کے پردے میں "تخریب" کے جو سامان ہو رہے ہیں، انہوں نے ہر باشعور و غیور انسان اور ہر باضمیر مسلمان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور وہ کھلی آنکھوں دیکھ رہا ہے کہ انسان، جس میں خالق و مالک نے مسجود ملائکہ بننے کی صلاحیت رکھی ہے جب منکر ہو جاتا ہے تو اسفل سافلین ہو جاتا اور جانوروں سے بھی بدتر بن جاتا ہے ظلم و بربریت کو کس طرح امن و سلامتی کے معنی پہنا دئے جاتے ہیں، انسانی خون کس طرح ارزاں ہو جاتا ہے اور کس طرح ننھی ننھی جانوں تک کو خاک و خون میں نہلا دیا جاتا اور مقدس و باوقار قائدین تک کے بھی چیتھڑے اڑا دینے میں نہ عار محسوس ہوتا ہے نہ دریغ کیا جاتا ہے۔

نام نہاد مہذب و متمدن دنیا کی "تعمیر نو" کی مہم کی ایک تصویر یہ ہے...... قتل و غارت گری اور جبر و تشدد کی تصویر!!

لیکن ذرا تصور کیجئے تاریخ انسانی میں اپنی نوعیت کی اس بے نظیر و جداگانہ نئی دنیا کی تعمیر کی مہم کی جو رہتی دنیا تک کے لئے نظیر ہے اور رہے گی۔ تاریخ انسانی میں نئی دنیا کی تعمیر کی اس مہم کے نتیجہ میں سلامتی، عدل و انصاف اور اخوت و مساوات کا وہ نظام قائم ہوا کہ جہاں کا کمزور ترین فرد بھی ظلم سے محفوظ اور ضرر سے مامون تھا، چنانچہ مدنی دور میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتمؓ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ بخدا وہ وقت قریب ہے جب تو سن لے گا کہ اکیلی عورت قادسیہ سے چلے گی اور مکہ کا حج کرے گی اور اسے کسی کا خوف و ڈر نہ ہوگا۔

تاریخ انسانی میں نئی دنیا کی تعمیر کی اس مہم کو جنگوں کے میدان کارزار سے بھی گزرنا پڑا مگر افسوس کہ دنیا اس حقیقت سے صرف نظر کرنا چاہتی ہے کہ بدر، احد، اور احزاب کی تین بڑی جنگیں تو وہ ہیں جو دشمن کی للکار کے جواب اور دفاع میں لڑی گئیں جب کہ حنین و طائف کو فتح کرنا اس لئے لازم تھا کہ وہ دشمن کی جنگی قوت کے مرکز تھے اور غزوہ بنی مصطلق اور غزوہ خیبر کا مقصد سازشی کاروائیوں کا استیصال تھا۔ اخلاق کے بجائے تلوار سے اسلام کا رشتہ جوڑنے والے اس حقیقت سے بھی صرف نظر کرنا چاہتے ہیں کہ جنگوں کے معاملہ میں بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمۃ اللعالمینی جا بجا صاف دیکھی اور محسوس کی جا سکتی ہے۔ آٹھ نو سال کی مدت میں دوران جنگ دونوں طرف سے جو موتیں ہوئیں ان کی کل تعداد صرف ایک ہزار اٹھارہ ہے۔ جس میں مشرکین کی تعداد ۷۵۹ ہے اور علمبرداران توحید کی تعداد ۲۵۹۔ روئے زمین پر اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ ایک پاک و پیارا انقلاب ہوا، ایسا انقلاب کہ جب مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی تو وہ علاقہ تقریبا سو مربع میل تھا اور آٹھ نو سال کے قلیل عرصہ میں یہ ریاست دس بارہ لاکھ مربع میل کی وسعت کو چھو رہی تھی لیکن اس کے لئے نہ کوئی جبر و تشدد کیا گیا نہ قتل و غارت گری سے کام لیا گیا۔ کلمہ طیبہ کے بیج سے وہ شجرہ طیبہ برگ و بار لایا جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں انسانیت کے قافلہ نے سکون و راحت کا سانس لیا اور تاریخ انسانی اس حقیقت سے آشنا ہوئی کہ جنگ کے بھی آداب ہیں، اسلام کے نزدیک اس کا مقصد اجتماعی مفاد، انسانیت کا تحفظ اور امن و سلامتی کی حفاظت ہے جنگ کا یہ اسلامی تصور ہے۔ جو حقیقت اور انصاف پر مبنی ہے اور امن مستقل اور بنیادی چیز ہے لیکن افسوس کہ امن و آشتی کے علمبردار دین کے نام لیواؤں پر آج دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے الزامات عائد کئے جا رہے ہیں اور اس لئے عائد کئے جا رہے ہیں کہ سچائی کا راستہ روکا جا سکے۔

یہی وقت ہے کہ ہم کتب تفسیر و حدیث اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ شعور حاصل کریں جس سے مایوسی کی جڑیں کٹتی ہیں اور امیدوں کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔ رہے مکر و سازش کے جھگڑے اور انسانی خون کی ہلاکت خیز برکھا، تو تاریخ یہی بتاتی ہے کہ سچائی کا راستہ قدم قدم بلاؤں سے ہی ہو کر گزرتا ہے لیکن مظلوم و مغلوب بالآخر غالب آ کر رہتا ہے بشرطیکہ اللہ اور رسول سے خیانت نہ کی جائے اور ان کے احکام کی خلاف ورزی نہ ہو:

"اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے، مغلوب پڑے ہوئے ملک میں۔ ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ، پھر اس نے تم کو ٹھکانہ دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور روزی دی تم کو ستھری چیزیں تا کہ تم شکر کرو۔ اے ایمان والو! خیانت نہ کرو اللہ سے اور رسول سے"۔ [سورہ انفال/ ۲۷]

"تعمیر نو" کا راگ الاپنے والے یا ڈھونگ رچانے والے جب بھی مسائل و حالات کا بے لاگ تجزیہ کریں گے اور ان کا ایماندارانہ حل تلاش کرنا چاہیں گے تو وہ حل انہیں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے چوکھٹ پر مل سکے گا۔ ع

غبار راہ روشن ہے بہ شکل کہکشاں اب تک

☆☆☆☆☆

(فقہ وفتاویٰ)

سوال جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: دسویں محرم کی تاریخ کیا اسلام میں کوئی اہمیت رکھتی ہے؟ حضرت امام حسینؓ کی شہادت سے قبل اہل اسلام کے یہاں کیا رسوم ادا ہوتی تھیں؟

جواب: یوم عاشوراء یعنی دسویں محرم اسلام سے پہلے بھی ایک محترم اور معظم دن تھا، یہود اس کی تعظیم کرتے اور اس دن روزے رکھتے تھے، اور خانہ کعبہ کو اس دن غلاف پہنایا جاتا تھا، اس دن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی روز حضرت آدم علیہ السلام پیدا کیے گئے، اسی دن جنت میں داخل کیے گئے، اسی دن جنت سے دنیا بھیجے گئے، اور اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات حاصل ہوئی، غرض کہ یہ دن پہلے ہی سے ایک فضیلت اور احترام کا دن ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن روزہ رکھا اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کی ترغیب دی: "فصامه رسول الله عليه وسلم وأمر بصيامه". [مسلم: ۱/ ۳۵۹]

سوال: کیا عاشوراء کے دن اہل و عیال کو اچھا کھانا کھلانا چاہیے؟ کیا حدیث نبویؐ سے اس کا کوئی ثبوت ہے؟

جواب: عاشوراء کے دن اچھا کھانا پکوانا اور اپنے بال بچوں، عزیزوں اور پڑوسیوں کو کھلانا مستحب ہے، صاحب درمختار علامہ حصکفی نے یہ روایت نقل کی ہے: "من وسع على عياله يوم عاشوراء وسع الله عليه السنة كلها". (عاشوراء کے دن جو اپنے بال بچوں کے کھانے میں وسعت اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اسے سال بھر وسعت عطا فرماتے ہیں)، اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد یہ صراحت کی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے: "وحديث التوسعة على العيال يوم العاشوراء صحيح"۔ [الدر المختار علی رد المحتار: ۲/ ۴۱۸]

سوال: تعزیہ بنانا، علم نکالنا، دلدل بنانا، مہندی لگانا، تخت اٹھانا، مرثیہ پڑھنا، تعزیہ سے مرادیں مانگنا، نوحہ زاری کرنا، اور چھاتیاں وغیرہ کوٹنا شرع اسلامی میں کیسا ہے؟

جواب: تعزیہ بنانا، اس کی تعظیم کرنا، اس سے مرادیں مانگنا، علم نکالنا، دلدل بنانا، تخت اٹھانا، مہندی لگانا، مرثیہ پڑھنا، نوحہ کرنا، اور چھاتیاں کوٹنا وغیرہ ناجائز اور حرام ہیں، شریعت اسلامی ان کاموں کی اجازت نہیں دیتی، یہ اسلامی توحید اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تعلیم کے خلاف ہیں، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین کے یہاں ان کاموں کا کوئی وجود نہیں ملتا، اس لیے ان چیزوں سے دور رہنا اہل ایمان کے لیے ضروری ہے۔ [مجموعۃ الفتاویٰ علی ہامش خلاصۃ الفتاویٰ: ۴/ ۳۴۴]

سوال: محرم کے شروع عشرہ میں یعنی چاندرات سے دسویں تاریخ تک شربت، کھانا، کپڑا یا کسی اور چیز پر امام حسینؓ کی فاتحہ دے کر کسی کو دینا کیا درست ہے؟ کیا ان چیزوں سے حضرت امام حسینؓ کو ثواب پہونچتا ہے؟

جواب: مذکورہ چیزوں پر حضرت امام حسینؓ کی فاتحہ دے کر لوگوں کو دینا جائز نہیں ہے، بلکہ حرام ہے، رہا مسئلہ حضرت امام حسینؓ کے لیے ایصال ثواب تو اس بارے میں علماء احناف کا نظریہ ہے کہ بدنی اور مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے، لیکن ثواب پہنچانے کے لیے کسی تاریخ یا کسی چیز کی تخصیص درست نہیں ہے، کیونکہ یہ تعیین دور صحابہؓ اور سلف صالحین کے یہاں نہیں پائی جاتی ہے۔ [الاعتصام، ابو اسحاق الشاطبی: ۱/ ۳۹]

سوال: ایام محرم میں دس روز امام حسین کا ماتم کیا جاتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: حضرت حسینؓ کا ماتم سخت مکروہ و ممنوع ہے، شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

"ولو جاز أن يتخذ يوم موته يوم مصيبة لكان يوم الاثنين أولىٰ بذالك اذ قبض الله تعالىٰ نبيه محمداً صلى الله عليه وسلم فيه، وكذلك أبو بكر الصديق رضي الله عنه قبض فيه". [غنیۃ الطالبین: ۲/ ۳۸] (اگر امام حسینؓ کی شہادت کا دن یوم مصیبت اور ماتم کے طور پر منایا جائے تو یوم دوشنبہ اس غم واندوہ کے لیے زیادہ مستحق ہے کیونکہ اس دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی ہے، اور اسی دن حضرت ابو بکرؓ نے وفات پائی ہے حالانکہ ایسا کوئی نہیں کرتا)۔

سوال: دسویں ذی الحجہ کو امام حسینؓ کے واقعہ شہادت پر افسوس کرنا اور غمزدہ ہونا کیا شرعاً درست ہے؟

جواب: سیدنا حسینؓ کی شہادت کا واقعہ یقیناً تاریخ اسلامی کا ایک المناک واقعہ ہے لیکن کسی کی وفات پر تین دن سے زیادہ سوگ منانا اور غمزدہ ہونا جائز نہیں، صرف بیوی اپنے شوہر کے انتقال پر چار مہینہ دس دن سوگ منائے گی اور یہ واجب ہے، اس سے زائد نہیں، اہل حق علماء نے سیدنا حسینؓ کی شہادت پر ماتم اور سوگ منانے کو روافض کا طریقہ بتایا ہے اور ناجائز قرار دیا ہے۔ [مجمع بحار الانوار: ۳/ ۵۵۰]

☆☆☆☆☆

(دینی شذرات)

محاسبۂ نفس

نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا اور آپ کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سچے اور آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک ہر پہلو اور ہر زاویے سے کامل و مکمل ترین ہے، آپ کی سیرت طیبہ کا ہر واقعہ ہمارے لیے چراغ راہ ہے، ہمارا اور آپ کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی ایک علاقے، کسی ایک قوم، کسی ایک نسل اور کسی مخصوص زمانے کے واسطے نہیں ہے بلکہ دنیا کے تمام انسانوں کے لیے پاکیزہ ترین اور قرآن مجید کے الفاظ میں "اسوۂ حسنہ" ہے۔ آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس عالم آب وگل نے اپنی آنکھ سے "بعد از خدا بزرگ" کا صحیح مصداق اور سچا پیکر صرف اور صرف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔ آپ اس کے قائل ہیں کہ مکہ مکرمہ کا وہ دریتیم علم وعقل، اخلاق وعبادات، صفات وعادات، حسن معاملات، حسن سیرت، حسن صورت غرض کہ جتنے بھی فضائل آدمیت اور کمالات انسانی ہیں سب کے سب اعلیٰ درجہ پر فائز تھے، آپ یہ مانتے ہیں کہ عرب کے اس نبی امی کی مکمل پیروی اور اقتداء ہی کا نام اسلام ہے۔

پھر یہ کیسا اندھیر ہے کہ اس اسوۂ کاملہ کے ہوتے ہوئے آپ کی نگاہیں اغیار کی طرف اٹھتی ہیں؟ پیارے نبیؐ اپنی نمازیں کس طرح ادا فرماتے تھے؟ کیا آپ نے بھی اس طرح نماز پڑھی ہے؟ اگر پڑھی بھی ہے تو کتنی بار؟ روزہ اللہ کے حبیب کو کتنا محبوب تھا؟ کیا آپ بھی روزے کو اپنے لیے آسان سمجھتے ہیں؟ کیا آپ نے کبھی یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ سرور کائنات کی خوراک کس قدر سادہ ہوتی تھی؟ اور کتنی مقدار غذا کی آپؐ تناول فرماتے تھے؟ فاتح کونینؐ کتنے فاقے کیا کرتے تھے؟ کیا آپ بھی فاقے کے لیے آمادہ اور تیار رہتے ہیں؟ آپ دن بھر میں کتنی مرتبہ معدے کی خدمت کرتے ہیں؟ کیا اس کی کوئی روایت سیرت رسولؐ سے آپ کو ملی ہے؟ کیا آپ کا لباس، پیراہن نبویؐ سے کوئی مناسبت رکھتا ہے؟ آپ نے اپنے جسم پر جو قسم قسم کے کپڑے پہن رکھے ہیں اور شرافت کا معیار جو خوش پوشاکی کو قرار دے رکھا ہے، کیا اس کی کوئی دلیل آپ کو سنت نبویؐ سے ملی ہے؟ کیا آپ نے کبھی یہ بھی فکر کی کہ فخر موجوداتؐ نے مکان کی تعمیر کے سلسلہ میں کیا ہدایات دی ہیں؟ اور کس طرح کے مکان میں سردار دو جہاںؐ کی سکونت تھی؟ اس کے برعکس آپ اپنے مکان کی تعمیر میں خداوند قدوس کی عطا کی ہوئی دولت جس طرح خرچ کرتے ہیں کیا وہ اسراف وتبذیر کے زمرے میں داخل نہیں ہے؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع یہی ہے؟

غور کیجیے کہ آپ کی خرید وفروخت، لین دین، خوشی غمی، رہن سہن، عادات واطوار، رسم ورواج، میل ملاپ کے طریقے معلم اعظمؐ کے بتائے ہوئے طریقوں سے کس حد تک مناسبت اور مطابقت رکھتے ہیں؟

آپ کا معیار زندگی اور طرز معاشرت جتنا پر پیچ اور پر تصنع ہے، اللہ کے سچے رسولؐ اور آپؐ کے اصحاب کرام کا طریقہ زندگی اتنا ہی آسان اور سادہ تھا، آپ اپنے کو اس طرز پر ڈھالنے میں پس وپیش کیوں کرتے ہیں؟

ہم اور آپ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو پسندیدہ دین کا نام لیوا بنایا، ہمارا عقیدہ ہے کہ خالق کائنات نے اپنے دین "اسلام" کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنے برگزیدہ بندوں کو مبعوث فرمایا، ان بندوں کو شریعت کی اصطلاح میں انبیاء (ان پر اللہ کی سلامتی اور درود ہو) کہتے ہیں، آپ کا ایمان ہے کہ ان کے محبوب بندوں نے پیام الٰہی بے کم وکاست ہم تک پہنچا دیا، آپ اس بات کو مانتے ہیں کہ ہم سب کی فوز وفلاح اسلام کے احکام پر مکمل طور پر عمل کرنے میں ہے۔

لیکن ذرا سوچیے کہ جب آپ کے گھر، آپ کے خاندان، آپ کے محلہ اور آپ کی بستی میں بڑی تعداد نماز نہیں پڑھتی ہے تو ان کے ساتھ آپ کا رویہ کیا ہوتا ہے؟ رمضان کے مبارک مہینے میں روزہ خوروں سے آپ کس طرح پیش آتے ہیں؟ وہ روزہ دار جو زکوٰۃ کی ادائی نہیں کرتے ان کے متعلق آپ کا برتاؤ کیا ہے؟ وہ متمول حضرات جو فریضۂ حج نہیں ادا کرتے ہیں آپ ان سے کیا معاملہ کرتے ہیں؟

آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام جیسے پاکیزہ مذہب میں دروغ گوئی، مکر سازی، فریب دہی، وعدہ خلافی، بدمعاملگی، غبن، خیانت، چوری جیسی برائیوں کی بیخ کنی کی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود ان برائیوں پر عمل کرنے والے آپ کے نزدیک کس حیثیت کے حامل ہیں؟......

......بقیہ صفحہ ۴۳ پر)

(منزل بہ منزل)

نصف صدی مسلسل اشاعت کی

جاوید اختر ندوی

۱۰/نومبر ۱۹۶۳ء وہ تاریخی دن تھا، اور اسلامی و دینی صحافت کے لیے ایک انقلابی دن تھا، جب پندرہ روزہ "تعمیر حیات" ندوۃ العلماء کے ترجمان کے طور پر پہلی بار منظر عام پر آیا، الحمد للہ اب تعمیر حیات کے ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۳ء کو پچاس سال پورے ہو رہے ہیں، مہینہ میں دو بار نکلنے والا یہ رسالہ اپنا ۱۲۰۰واں شمارہ پیش کر رہا ہے، اس نے تسلسل و استمرار کی بھی ایک تاریخ بنائی، سال میں ۲۴ شماروں کے ساتھ جس میں کوئی دو شمارے کبھی سال میں ایک بار کبھی دوبار مشترک بھی نکلے، لیکن صفحات دو شماروں کے ہی رکھے گئے، حالات سازگار ہوئے اور کبھی ناسازگار بھی، لیکن تعمیر حیات کا سفر جاری رہا، اس کی اشاعت کے لیے، بہت سے خیر خواہوں نے حصہ لیا، بعض نے قریب اور دور کے سفر بھی کیے اور ادارے کے سفراء نے بھی اس کے لیے تگ ودو کی، دار العلوم ندوۃ العلماء کے اساتذہ نے بھی اس کی توسیع واشاعت میں ہر ممکن حصہ لیا، لوگوں نے اس کی فکر کو لیا اور عام کیا، جب جب جس فکری، عقلی، اصلاحی وروحانی غذا کی ضرورت ملت کو پڑی اس نے وہ غذا دے کر اسے حیات نو بخشی، اس کے مضامین نقل کیے جانے لگے اور خوب عام ہوئے، عالم اسلام کے مسائل سے اس نے کبھی چشم پوشی نہیں کی، بلاد عربیہ خاص طور پر جزیرۃ العرب سے رابطہ ہمیشہ بہت مضبوط رہا، اور وہاں کے حالات کی پوری خبر گیری رکھ کر مسلمانان عالم کو جھنجھوڑنے کا کام کیا، امریکی، برطانوی، فرانسیسی اور سب سے بڑھ کر اسرائیلی اور صیہونی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو جو اسلام اور مسلمانوں اور خاص طور پر ممالک عربیہ و اسلامیہ کے خلاف رچی جاتی رہیں، ان کو بے نقاب کیا۔

ملت اسلامیہ کے نونہالوں میں دین کا درد اور ملت کی غیرت وحمیت اور عزم وحوصلہ، جوش وجذبہ اور ولولہ پیدا کیا، ان سب کے ساتھ ملک اور پڑوسی ممالک کے حالات کا جائزہ لینے کا بھی کام کیا اور اس کے تئیں ہماری کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کی طرف متوجہ کیا، مسلمانوں میں دینی مزاج بنانے، سیاسی شعور پیدا کرنے اور انسانی درد وسوز بیدار کرنے کا کام کیا، اسلاف کے احوال وسیرت سے بھی واقف کرایا تاکہ کوئی نیا راستہ ڈھونڈنے کے بجائے صحیح اور قدیم راستے کو ہی اختیار کیا جائے کہ ارشاد ہے:

"اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ". (ہمیں سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا)۔

قرآن وحدیث، کتاب وسنت سے رشتہ مستحکم کرنے، انبیاء اور رسولوں کی سیرت وطریقہ کو اختیار کرنے اور ان کے متبعین اور صلحائے امت کے منہج و نظام کو دستور حیات بنانے کا کام کیا کہ کس کس طرح احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے ہمارے اسلاف نے قربانیاں دیں، کتاب وسنت کی روشنی میں ہی یہ پچاس منزلیں طے کرائی گئی ہیں۔

اللہ رحمٰن ورحیم جو ساری کائنات کو پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے، اسی سے دعا ہے کہ وہ مزید منزلیں بھی طے کراتا رہے، اور اس پر جو جزا ہے، روز جزا کا مالک اس کا خوب اضعافاً مضاعفۃً صلہ ہر اس شخص کو عطا کرے جس نے کسی طرح بھی اس کے ساتھ خیر خواہی کی ہے۔

تعمیر حیات نے خالص فکری، دینی اور اصلاحی موضوعات بھی لیے اور حالات حاضرہ سے متعلق مسائل پر بھی رہنمائی کی، اور یہ گویا رسالہ "تعمیر" کی تجدید تھی، جس کو مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ نے نکالا تھا اور ان حالات میں نکالا تھا جب ملک دو نظریات میں تقسیم ہو چکا تھا، اور اس وقت مسلمانوں میں دینی وسیاسی شعور پیدا کرنے کی بڑی ضرورت ملت کے قائدین وعلماء محسوس کر رہے تھے اور بقول حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ:

۱۹۴۷ء کے بعد شدت سے اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی کہ عام دینی واقفیت اور مسلمانوں کے دینی وسیاسی شعور کی تربیت کے لیے ایک رسالہ جاری کیا جائے، "تعمیر" کے نام سے اس دینی رسالہ کا اجراء عمل میں آیا، اس سے پہلے "الندوہ" اس خلا کو پر کرتا رہا تھا۔

اور صرف یہی نہیں بلکہ اساطین علم وادب کے زیر سایہ نکلنے والا یہ رسالہ ہندوستان کے علمی ودینی مطلع پر روشن سیارہ کی حیثیت سے نمودار تھا، مولانا شبلی نعمانیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ، اس کے مدیر تھے، جب وہ پہلی بار جولائی ۱۹۰۴ء میں ندوۃ العلماء لکھنؤ سے نکلا تھا، اس کے لکھنے والوں میں مولانا ابو الکلام آزادؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ جیسے شاہان قلم تھے۔ یہ بند ہوا، پھر جولائی ۱۹۱۲ء میں مولانا اکرام اللہ خاں ندویؒ کے زیر ادارت نکلا، دو ڈھائی سال نکلا تھا کہ پھر بند ہو گیا، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس کے دور اول کی یاد تازہ

کرنی چاہی، وہ ندوۃ العلماء کے اس وقت معتمد تعلیم تھے، اور ۱۹۴۰ء میں سہ بارہ اس کے اجرا بلکہ احیاء وتجدید کا عزم کیا، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی ادارت میں نکالا، اور خود اور ان کے عالی مقام رفقاء مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، مولانا عبدالباری ندویؒ، مولانا ضیاء الحسن علوی بھی لکھتے اور سرپرستی فرماتے اور یہی نہیں اس وقت کے سرحلقہ یاران ندوہ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانیؒ بھی کبھی اپنے مضامین و مقالات سے زینت بخشتے، ہندوستان کی اثر ڈالنے والی رہنما شخصیات سے یہ درخواست کی گئی کہ ان کی سیرت وکردار اور تشکیل فکر وخیال میں بنیادی وانقلابی اثر کن کتابوں کا ہے، ان کا ذکر کیا جائے، جو مضامین اس عہد کی بلند وبالا شخصیات کے آئے، "الندوہ" نے انہیں شائع کیا اور بعد میں "مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں" کے نام سے یہ مجموعہ سامنے آیا، جس کی تجدید واحیاء کا کام مولانا فیصل احمد بھٹکلی ندوی نے اپنے حاشیہ کے ساتھ کیا ہے۔

کاش احیاء وتجدید کی ضرورت "الندوہ" کو نہ آتی، اور تسلسل واستمرار کے ساتھ اس کی گاڑی پڑی پر رہتی، مگر افسوس کہ فروری ۱۹۴۲ء میں حالات کی ناسازگاری کا شکوہ لے کر یہ پھر بند ہوگیا۔

ضرورت اور تقاضا حالات کا اور مطالبہ اہل درد اشخاص کا روز بروز زور پکڑتا رہا، اور جیسا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے لکھا ہے کہ ۱۹۴۳ء کے بعد شدت سے اس کی ضرورت محسوس ہونے لگی چنانچہ ندوۃ العلماء کے ہی متعلق افراد نے ندوہ کے نظام سے ذرا ہٹ کر لکھنؤ ہی میں قائم ادارہ تعلیمات اسلام سے "تعمیر" نکالا، لیکن ملک کی تقسیم کے بعد حالات جو ناسازگار ہوئے تو یہ بھی اپنی مختصر عمر پوری کر کے ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا، لکھنؤ میں "صبح صادق" "الفرقان"، "صدق"، "النجم" وغیرہ بھی کامیاب دینی، فکری وملی ترجمان تھے، لیکن ان میں سے ہر ایک کا انداز جدا اور منفرد تھا، "صدق" اور "الفرقان" کو اپنی اپنی حیثیت کے مطابق زیادہ شہرت اور مقام حاصل تھا، اور ان دونوں کی عمریں بھی طویل ہوئیں۔

"صدق" بڑی آب وتاب سے نکلا اور بڑی تابناکی سے ضوفشانی کرتا رہا، دین وملت، ادب و سیاست، علم وتحقیق کا کوئی مسئلہ ہو اور وہ رہنمائی نہ کرے، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے بعد اس کا سلسلہ زیادہ دراز نہ ہوسکا۔

"الفرقان" بریلی سے نکلا مگر ہجرت کر کے لکھنؤ آگیا، اور فرقان بین الحق والباطل کا کردار پیش کرتا رہا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ اس کے بانی مدیر تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مضامین ومقالات بھی اس میں شائع ہوتے تھے، آج بھی وہ سرگرم عمل ہے۔

"النجم" سنی مسلمانوں کا ترجمان تھا، اور مولانا عبدالمومن فاروقی اس کے مدیر تھے، اور بانی امام اہل سنت مولانا محمد عبدالشکور فاروقی تھے، "صبح صادق"، "الفرقان" اور "النجم"، کی طرح ماہنامہ تھا، لیکن مدت اس کی کم رہی، حکیم شرافت حسین رحیم آبادیؒ اور مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ کی ادارت کے اشتراک کے ساتھ نکلا اور خوب نکلا، اس کے قرآن نمبر اور حدیث نمبر آج بھی یاد رکھے جاتے ہیں۔

"تعمیر حیات" جن حالات میں نکلا، اس زمانہ میں "ندائے ملت" ملت کا ایک بہترین ترجمان کے طور پر بطور ہفتہ وار اخبار کے معروف تھا، اور ملی سیاسی مسائل میں وہ جرأت کے ساتھ آواز اٹھاتا تھا، اور دینی رہنمائی بھی کرتا تھا، چونکہ سیاسی افکار اس میں غالب آگئے، ضرورت تھی صحیح دینی فکر، مناسب ملی وشعور پیدا کرنے والا دینی ترجمان بھی ہو جس سے نئی نسل کی تربیت، اور لوگوں کی اصلاح و دعوت کا کام کیا جائے، اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے درد سے بھی واقف کرایا جائے، مولانا سید محمد الحسنیؒ (۱۹۳۵-۱۹۷۹ء) جو عربی زبان میں "البعث الاسلامی" نکال کر عربی قومیت پر جمع ہونے کے بجائے خالص اسلامی دینی نسبت پر جمع ہونے کی طاقت ور دعوت دے چکے تھے، اور "الی الاسلام من جدید" کو اپنا شعار بنا کر نئے سرے سے اسلام کی طرف آنے اور اسی میں زندگی کی کامیابی کا راستہ ڈھونڈنے کی صدا لگا چکے تھے، انہوں نے اپنے اس درد کو اردو داں حلقہ میں بھی منتقل کرنا چاہا، اور جب کہ ان کے عم مکرم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ یورپ کے ایوانوں اور کلیساؤں میں نعرۂ حق ونعرۂ توحید بلند کرنے گئے ہوئے تھے اور اسپین (اندلس) میں غرناطہ وقرطبہ میں گم شدہ متاع دین ودانش کو عام کرنے کا کام کر رہے تھے، ادھر زندگی کی ایمانی تعمیر اور اسلامی تشکیل کے لیے مولانا سید محمد الحسنیؒ پوری تیار کر چکے تھے، غرناطہ سے ارسال کردہ خط کو اپنے پہلے شمارہ کا حصہ بنا کر اس کو معرکۂ ایمان و مادیت میں ایمان کی فتح قرار دی، اس لیے کہ مادیت کبھی آسودہ اور سیراب نہیں ہونے دیتی اور ایمان دل کو سیراب کر کے آسودہ کر دیتا ہے۔

مولانا سید محمد الحسنی مرحوم کے شریک ادارت "البعث الاسلامی" میں اور "تعمیر حیات" میں بھی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی رہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی

ندویؒ رقمطراز ہیں:

"ندوۃ العلماء کا اردو ترجمان "تعمیر حیات" دینی حلقوں میں مقبول ہوتا جا رہا تھا، لیکن اس کو ابھی تک کوئی ایسا مستقل ایڈیٹر نہیں ملا تھا، جو اس کو مستقل مزاجی اور انہماک کے ساتھ چلائے، اس کے لیے مولوی اسحاق صاحب ہی پر نظر پڑی، جو ایک پیدائشی صحافی اور ایڈیٹر تھے، پھر ندوۃ العلماء کی تحریک کے بہترین ترجمان بھی، چنانچہ ان سے اس سلسلہ میں خط وکتابت کی گئی۔

میں نے ان کو ایک خط میں مفتی صدرالدین خان آزردہ کا وہ شعر لکھ دیا جو مجھے بہت محبوب ہے، اور میں اس کو اپنے بہت سے خطبات ومقالات میں پیش کر چکا ہوں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

غالباً اسی سے متاثر ہو کر انہوں نے لکھنؤ آنے کا فیصلہ کر لیا۔ [پرانے چراغ: ۲/۳۱۲]

چنانچہ مئی ۱۹۷۳ء مستقل طور پر انہوں نے "تعمیر حیات" کی ادارت سنبھال لی، اور اس طرح سنبھالی کہ وہ اور تعمیر حیات دونوں لازم ملزوم ہوگئے، اور بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ:

"صحافت ان کا پسندیدہ مشغلہ اور ہابی (Hobby) تھی، اس لیے بہت جلد اس میں ایک نئی روح اور نئی زندگی پیدا ہوگئی، اس کام میں محمد میاں (جن کو قلم ہمیشہ سلمہ لکھنے کا عادی تھا، اور اب مرحوم لکھنے کا عادی ہو رہا ہے) ان کے معاون اور دست راست تھے، پرچہ پر بحیثیت ایڈیٹر کے شروع سے انہی کا نام آرہا تھا، لیکن عملاً اب مولوی اسحاق صاحب اس کے مدیر مسئول تھے، دونوں میں بڑا اتحاد مذاق تھا، دونوں کا ذہن نئی نئی تجویزیں سوچتا، نئی نئی روشیں نکالتا تھا، دونوں کا ذہن وسیع، طباع اور تخلیقی تھا، اس لیے دونوں میں خوب بنی"۔
[پرانے چراغ: ۲/۳۱۴]

مگر افسوس کہ ان دونوں کو کسی کی نظر لگ گئی، صرف ایک مہینہ کے وقفہ سے اور تقریباً ایک ہی عمر میں ایک جون میں اور دوسرے جولائی میں، ان دونوں نے نہ صرف اپنے رفقاء واحباب، اعزہ واقرباء، ادارے اور حلقہ اور جاننے والوں کو داغ مفارقت دیا بلکہ پوری ملت اسلامیہ کو سوگوار چھوڑ گئے، اور اپنی ان صلاحیتوں کے ساتھ گئے جو انہی تھیں اور جو کسبی تھیں، ان میں بھی وہ دونوں اتنے آگے بڑھ گئے تھے کہ ان کا بدل نظر نہیں آتا تھا، البتہ ان دونوں کے مربی وسرپرست موجود تھے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، انہوں نے مولانا شمس الحق ندوی کو ادارت سنبھالنے کو کہا، انہوں نے اپنے مربی واستاد کی سرپرستی ورہنمائی میں اپنے معاون کے ساتھ اس کو ترقی دی اور اس کی اشاعت میں توسیع لانے کی کوشش کی اور اپنے وقت پر "تعمیر حیات" اس پابندی سے نکلتا رہا جس کی پابندی دینی پرچے کم ہی کر پاتے ہیں۔

مولانا شمس الحق ندوی نے اپنے اساتذہ کا بھی تعاون لیا، اور رفقاء کی بھی مدد لی، اساتذہ میں مولانا عبداللہ عباس ندویؒ، مولانا ابوالعرفان خاں ندویؒ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن کے اداریے شامل اشاعت ہوتے رہے، رفقاء میں مولانا عبدالنور (نور عظیم ندویؒ)، مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری، مولانا محمود الازہار ندویؒ کا خوب تعاون ملا، اور یہ حضرات بعض موقعوں پر شریک ادارت بھی ہوئے، کچھ عرصہ کے لیے مولانا امین الدین شجاع الدین کی بھی خدمات لی گئیں۔

اللہ رب العزت قبول فرمائے اور ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔

☆☆☆☆☆

(........بقیہ صفحہ ۴۰ کا)

آپ نے ضرور پڑھا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ترکہ اور میراث میں عورتوں کا کیا حصہ رکھا ہے، ان کے حصہ کو ہڑپ کرنے والوں اور ان کے حقوق کو غصب کرنے والوں کے ساتھ آپ کیا سلوک کرتے ہیں؟ آپ کو یقیناً معلوم ہوگا کہ سود اور سود خوروں کے بارے میں خدائے قہار نے اپنی سچی کتاب میں سخت ترین احکامات نازل کیے ہیں، اس کے بعد بھی آپ سود خوروں اور سود کے سلسلہ میں کیا نظریات رکھتے ہیں؟ آپ نے مطالعہ کیا ہوگا کہ اسلامی شریعت میں رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے کے لیے کتنی شدید وعید ہے، اس کے باوجود آپ کی نگاہ میں رشوت دینے والے اور لینے والے کس مرتبہ کے حامل ہیں؟

سوچیے اور خوب سوچیے! پھر یہ فیصلہ کیجیے کہ ہماری عبادات، معاشرت، معاملات، اخلاق اور زندگی کا کون سا شعبہ کس حد تک اسوۂ حسنہ سے ہم آہنگ ہے؟؟؟

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆مولانا ابوالحسن بھاگلپوری شیخ الحدیث دارالعلوم مالیر کوٹلہ بھروچ، گجرات۔
☆اہلیہ مولوی عبداللہ عمرجی، گودھرا، گجرات
☆سید عباس علی حسین علی جہاں شاہی، پٹن، گجرات

ان تینوں کا ماہ ستمبر میں انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ ان سب کے ساتھ عفو وکرم کا معاملہ فرمائے، اور جنت الفردوس میں جگہ دے۔

قارئین "تعمیر حیات" سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ☆☆☆

ایک جائزہ

”تعمیر حیات“ کی جلدیں ۔ ایک نظر میں

محمود حسن حسنی ندوی

جلد (۱): ۱۰ نومبر ۱۹۶۳ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء

ندوۃ العلماء کے اس پندرہ روزہ اردو ترجمان نے ندوہ کے قیام کے وقت سے اس کے مقصد کو ظاہر کرتے ہوئے جس عہد کی تجدید کی اور اس وقت کی یادوں کا ذکر کر کے جو عزائم پیش کیے، ان سے اس کی پہلی جلد کا آغاز ہے، اور مختلف رسالوں، مجلات و جرائد و اخبارات کی موجوگی میں معاصرت کے حجاب کو دور کرنے کی بھی کوشش کی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کے ملفوظ کی روشنی میں اس سفر کا آغاز کیا تا کہ یہ پیغام بھی پہونچ جائے کہ کسی بھی دینی کام کے لیے اہل اللہ کی سرپرستی اور ان کے ارشادات کی روشنی ضروری ہے، چنانچہ ”معاصرت“ کے عنوان سے یہ ملفوظ ان کی کتاب سوانح مولانا عبد القادر رائے پوریؒ سے ماخوذ ہے کہ:

”بزرگان دین اور مشائخ کے تذکرہ میں اکثر یہ روایات دہرائی گئی ہے کہ ایک بزرگ اپنے شیخ کے حکم سے یا اشارہ غیبی سے کسی علاقہ میں تشریف لے گئے، اور وہاں قیام کرنے کا فیصلہ فرمایا، وہاں ایک بزرگ پہلے سے مقیم اور ارشاد و تربیت میں مشغول تھے، انہوں نے پانی کا ایک بھرا ہوا پیالہ ان نووارد بزرگ کی خدمت میں بھیجا، اشارہ تھا کہ پیالہ لبالب ہے، اب اس میں کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، ان نووارد بزرگ نے اس میں ایک گلاب کا پھول ڈال دیا، اشارہ تھا کہ میں اس طرح سے رہوں گا جیسے پھول پانی پہ تیرتا ہے“۔

تعمیر حیات کی اولین مجلس مشاورت پر نظر ڈالتے ہیں تو وہاں علم و صحافت کے افق کے روشن ستارے نظر آتے ہیں، مولانا محمد اویس ندوی نگرامی شیخ التفسیر دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا اسحاق ندوی سندیلوی، استاذ حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا ابوالعرفان خان ندوی قائم مقام مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا معین اللہ ندوی ناظر شعبہ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ادیب اول دار العلوم ندوۃ العلماء۔

قیمت میں بڑی رعایت، فی کاپی ۲۵ نئے پیسے، سالانہ چندہ صرف ۵ روپے، ششماہی ۳ روپے، ممالک غیر کے لیے ایک پاونڈ اسٹرلنگ۔

ندوۃ العلماء کا جو شعبہ اس کا ذمہ دار بنا، وہ تھا شعبہ تعمیر و ترقی، جس کے ذمہ دار مولانا معین اللہ ندوی تھے جو بعد میں نائب ناظم ندوۃ العلماء ہوئے، پھر ندوۃ العلماء کے سرپرستوں میں بھی جگہ پائی۔

اور یہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ تعمیر حیات کی قیمت خرچ سے بہت کم رکھی گئی تا کہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہو سکیں، اس کا آج بھی ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں کو پورا خیال ہے۔

پہلی جلد کا آخری شمارہ ۱۸؍ جمادی الثانی ۱۳۸۴ء مطابق ۲۵؍ اکتوبر ۱۹۶۴ء ہے، اس میں بھی پہلے کی طرح ندوۃ العلماء کے قیام کے مقصد کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کہ وہ ایک نصب العین ہے اور ایک تحریک ہے اور بعد میں وہ ایک مدرسہ اور تعلیم گاہ ہے، پہلے وہ ایک تخیل اور دعوت ہے، اس کے بعد اس تخیل کو عملی شکل دینے کے لیے ایک تربیت گاہ یا تجربہ گاہ ہے۔

جلد (۲): ۱۰ نومبر ۱۹۶۴ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۵ء

دوسری جلد کا آغاز اس سے ہے کہ ہماری جدو جہد کا اصل مقصد کیا ہو، مقصد ندوہ کیا ہے، جو مقصد ندوہ کا ہے، وہ یہ کہ قلب اور دماغ کی اس دوئی کو ختم کرنے کے لیے وجود میں آیا ہے جس کی وجہ سے مادیت اور نفس پرستی ایک منہ زور اور بے لگام گھوڑے کی طرح ہو گئی ہے۔

۲۵ فروری کے شمارہ کا اداریہ ہے: ”ندوۃ العلماء ۔ نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز“ اور ندوہ کی تصویر کے دو رخ قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک کا تعلق قلب سے ہے، دوسرے کا دماغ سے۔

۲۵ اپریل ۱۹۶۵ء کا اداریہ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کا ہے جس کا عنوان ہے: ”ہماری سوسائٹی کی بیماریاں اور ان کے علاج کی ضرورت“۔

اسی شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا عالم عرب کے نام پیغام سارے انسانوں کی زبان سے پیش کیا گیا ہے، یہ ایک انوکھا اور اچھوتا انداز ہے جو عربوں کو جھنجھوڑتا ہے کہ تمہارے یہاں آخری نبی مبعوث ہوئے تمہاری ذمہ داری سب سے جدا ہے، آخری شمارہ کا اداریہ ہے: ”ندوۃ العلماء اور دعوت اتحاد“ جو مدیر کے قلم سے ہے۔

جلد (۳): ۱۰ نومبر ۱۹۶۵ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء

تیسری جلد کا آغاز مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے فکر انگیز اداریے سے ہے جو اس وقت کے مصر کے حالات پر ہے اور عنوان ہے: ”دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے“ یہ اداریہ اگرچہ آج سے ۴۸ سال پہلے لکھا گیا ہے لیکن موجودہ مصر کے حالات پر پورا منطبق ہوتا ہے، اور اخوان پر جو مظالم اُس وقت ہوئے اور ان کے خلاف جو سازشیں رچی گئیں اور جو کچھ آج ہو رہا ہے، وہ اس کے بالکل مطابق حال ہے، آخر میں مولانا لکھتے ہیں:

”اس سرزمین میں حق و باطل کا معرکہ پھر قائم ہے، ایک طرف کچھ بے سہارا اور مادی طاقت سے محروم لوگ ہیں تو دوسری طرف ایک بڑی حکومت، فوج، پولیس اور جدید اسلحہ کا ذخیرہ ہے“۔

اس جلد کے شمارہ کی ایک خاص بات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا سلسلہ وار مضمون ”قرآن کا پیام“ ہے، جس میں قرآن مجید کے مختلف پہلوؤں، خصوصیات و امتیازات، تقاضوں، مطالبات اور فطرت انسانی کے تقاضے ہیں اور قرآن مجید کی اس میں جو رہنمائی ہے اس کا تشفی بخش ذکر ہے، بعض اہم شخصیات جو رخصت ہوئے ہیں ان پر نوٹ ہے جیسے مولانا بدر عالم میرٹھی جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا اور معتمد مال ندوۃ العلماء منشی احترام علی کا تذکرہ۔

۲۵ فروری ۱۹۶۶ء کے شمارہ میں مولانا سید محمد الحسنیؒ نے اپنے اداریے میں ”شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، نطق اعرابی“ کی صفات اختیار کرنے پر زور دیا ہے، حیات طیبہ کے عنوان سے نمونہ کی زندگی گزارنے کے لیے ملفوظات حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بھی ایک سلسلہ ہے جو مولانا سکندر احمد ندوی رنگونی کا مرتب کردہ ہے۔

ظلمت کدۂ یورپ میں اعلان حق کے عنوان سے پروفیسر سید حبیب الحق ندوی کی معرکہ کی تقریر ہے جو مغربی فکر و فلسفہ کی ہر محاذ پر ناکامی کو واضح کرتی ہے۔

جلد (۴): ۱۰ نومبر ۱۹۶۶ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۷ء

اس جلد کی خصوصیات میں ڈاکٹر یونس نگرامی ندویؒ کا سلسلہ وار مضامین ”قرآن مجید کا علم اخلاق“ ہے، مولانا اسحاق سندیلوی ندویؒ کا قسط وار مضمون ”شان ایمان از روئے انجیل و قرآن“ بھی خاصے کی چیز ہے، سیاسی رہنمائی پر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، مولانا سید محمد الحسنیؒ، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے مضامین اور مولانا سید حبیب الحق ندوی کا سلسلہ وار مضامین ”گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر“ اس جلد کا امتیاز ہے، پروفیسر رشید احمد صدیقی کی بھی عنایات اس جلد کو حاصل رہیں، ”تعلیم، مذہب اور اخلاق“ کے عنوان کا مضمون بڑا بصیرت افروز ہے۔

جلد (۵): ۱۰ نومبر ۱۹۶۷ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۸ء

اس جلد کے شروع کے شماروں کے اداریے مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے قلم سے ہیں، مدیر تعمیر حیات مولانا سید محمد الحسنیؒ سفر حجاز پر تھے، ان کا یہ سفر چھ ماہ کا تھا، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے ملکی سیاست اور بین الاقوامی سیاست میں اسلام مخالف سازشوں کو بے نقاب کیا ہے، اور وہ حقائق پیش کیے ہیں جن سے آج بھی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

شب غم کے عنوان سے رئیس الشاکری ندوی کی حضرت شاہ وصی اللہ کی منقبت پر نظم ہے، ان کا سانحہ وفات بھی اسی زمانہ میں حج کے لیے جاتے ہوئے بحری جہاز پر ہوا، اور بحر کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ انہیں اپنی آغوش میں لے۔

جلد (۶): ۱۰ نومبر ۱۹۶۸ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۹ء

اس جلد میں ایک خاص بات عرب اسرائیل جنگ کے مہلک اثرات اور اسرائیل کے بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ کے خلاف مضامین و تجاویز ہیں، انہی میں ندوۃ العلماء میں منعقد ایک احتجاجی جلسہ کی روداد بھی ہے جو مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی صدارت میں ہوئی تھی اور مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی پیش کردہ تجویز جلسہ میں منظور کی گئی تھی، وہ بھی شامل اشاعت ہے، اس سلسلہ میں مولانا سید محمد الحسنیؒ کا ۲۵؍ دسمبر ۱۹۶۹ء کا اداریہ ”اسلام کا بیلٹ بکس“ ان کے سوز دروں کا غماز ہے، ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں مشرق وسطی سے ملکی حالات پر آنا پڑا، اور بڑودہ، احمد آباد کے مسلم کش فسادات پر بڑا دلسوز اداریہ مولانا سید محمد الحسنیؒ کے قلم سے سامنے آیا، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی کی طرف سے مظلومین گجرات کے لیے ایک اپیل پرچہ کے سرورق کی پشت ہے جس میں انسانیت کے بہی خواہوں کو انسانی مدد کے لیے ابھارا گیا ہے۔

جلد (۷): ۱۰ نومبر ۱۹۶۹ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۰ء

پہلے شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی رابطہ عالم اسلامی میں کی گئی اس تقریر کو اداریہ بنایا گیا ہے جو ہندوستان میں مسلم کش فسادات کے بعد منعقد ہوئی اور ”ہندوستانی مسلمان، ان کا مقام اور پیغام“ کے عنوان سے شائع ہوئی۔

۱۰ اور ۲۵؍ اکتوبر کے اس جلد کے شماروں میں مولانا سید محمد الحسنیؒ کی دینی حمیت اور سوز دل سے نکلے وہ اداریے ہیں، جس میں انہوں نے ان افکار و خیالات پر سوگ منایا ہے جو مصری ڈکٹیٹر جمال عبد الناصر کے انتقال پر بعض حلقوں کی طرف سے سوگ کے طور پر ظاہر ہوئے تھے اور ۲۵؍ اکتوبر کے شمارہ میں عرشی لکھنوی کا مولانا اسحاق ندوی سندیلویؒ کے ہندوستان سے پاکستان منتقل ہونے پر ایک قطعہ الوداعیہ بھی ہے، مولانا اسحاق سندیلوی ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء کے موقر استاد اور تعمیر حیات کی مجلس مشاورت کے رکن تھے۔

جلد (۸): ۱۰ نومبر ۱۹۷۰ء تا ۲۵ اکتوبر ۱۹۷۱ء

اس بارئی جلد کا آغاز رمضان المبارک سے شروع ہوا اس میں مولانا سید محمد الحسنیؒ کا قارئین سے خطاب ہے کہ: رمضان ہم سے کیا چاہتا ہے؟ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنے پھوپھا جان مولانا سید طلحہ حسنی کو ان کے علمی و تربیتی احسانات پر ایک تفصیلی مضمون میں خراج عقیدت پیش کیا ہے اور مولانا محمد منظور نعمانی نے رمضان المبارک میں صلحاء کا طرز عمل پیش کیا ہے۔

۲۵؍ دسمبر ۱۹۷۰ء کے شمارہ میں پاکستان پر مولانا سید محمد الحسنیؒ کا اور ۲۵؍ مئی ۱۹۷۱ء کا اداریہ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کے قلم سے بنگلہ دیش کے حالات پر زبان و نسل کے نام پر پیش آنے والے واقعات پر بڑا دلسوز اداریہ ہے اور لکھا ہے کہ یہ واقعات نتائج ہیں اس جاہلی عصبیت اور بے لگام تکبر کا جس کا اسلام میں کوئی جواز نہیں اور نہ اس کے لیے اس کے نظام میں کوئی گنجائش ہے، ماہ ستمبر کے

شمارہ میں مولانا عبدالحفیظ بلیاوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے انتقال پر مولانا محمد منظور نعمانی کا مضمون خاصے کی چیز ہے۔

اس کے علاوہ اس جلد کی خصوصیات میں حافظ حبیب الرحمٰن حسنی مرحوم کا اردو شعر وسخن کے نامور ادیبوں کے کلام کے تعارف پر ایک ایک شخصیت کو لے کر سلسلہ وار مضامین ہیں جو ۴۲ سال سے مسلسل صدا لگا رہے ہیں کہ انہیں کتاب کی صورت میں لایا جائے اور حیات جاودانی بخشی جائے۔

جلد (۹): ۱۰/نومبر ۱۹۷۱ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۲ء

اس جلد کا آغاز بھی رمضان المبارک سے ہی ہے اور اس کے آخری عشرہ میں کرنے کے کاموں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور دوسرے شمارے میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا وہ فکر انگیز خطاب ہے جس میں انتباہ دیا ہے کہ ملت اسلامیہ تعمیر و تخریب کے دوراہے پر کھڑی ہے، یہ ان کا انگلستان میں دیا گیا خطبہ ہے۔

جلد (۱۰): ۱۰/نومبر ۱۹۷۲ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۳ء

اس جلد کا آغاز دارالعلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی سال کے آغاز پر اس کے معتمد تعلیم مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کے طلباء سے خطاب کو اداریہ بنا کر کیا گیا، جس میں انہوں نے توجہ دلائی ہے کہ یہ علم آخرت کی کامیابی اور زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی کرنے والا ہے۔

اس جلد میں پروفیسر احتشام احمد ندوی کے ملی قائدین وشخصیات پر مضامین کے سلسلہ اور حبیب الرحمٰن حسنی کے ادبی شخصیات پر مضامین کے سلسلہ کا امتداد بھی ہے، اس جلد کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں مولانا اسحاق جلیس ندوی کی تشریف آوری ہوئی ہے اور ۱۰/مئی ۱۹۷۳ء کے شمارہ نمبر ۱۳ میں ان کا اداریہ تحریک ندوۃ العلماء کی بڑھتی ہوئی افادیت وضرورت پر بڑا بصیرت افروز ہے، اس سے قبل کے شماروں میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے بھی بعض شماروں میں اداریے ہیں اور آخر میں مولانا اسحاق جلیس ندویؒ کے ہی قلم سے "عید محکوماں، ہجوم مومنیں" کے عنوان سے چشم کشا اداریہ ہے۔

جلد (۱۱): ۱۰/نومبر ۱۹۷۳ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۴ء

پہلے شمارہ میں ایک شامی ندوی فاضل شیخ عبدالوہاب زاہد حق (حال مقیم جنوبی کوریا) کا دمشق (شام) میں محاذ جنگ سے بھیجا ہوا مکتوب شامل اشاعت ہے، جس میں انہوں نے شہادت کی دعا اور امید رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ:

میں دیکھ رہا ہوں کے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دشمن ہلاک ہو رہے ہیں، اور ان کے جدید قسم کے اسلحہ جات بآسانی تباہ کر دیے جاتے ہیں، جناب والا یہ ایک عظیم جنگ ہے، ہمارے اور اسرائیل کے درمیان اتنی شدید جنگ کی مثال نہیں ملتی"۔

دوسرا مکتوب بھی عرب اسرائیل جنگ جو مصر و شام کے محاذ پر شروع ہوئی تھی، سے متعلق ہے، یہ قاضی فاروق ندوی بھٹکلی ہیں، انہوں نے بھی دمشق سے مکتوب بھیجا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"یہ جنگ ہمارے ایمان میں اضافہ اور خدا کی قوت پر اعتماد کا ذریعہ بن گئی"۔ اس جنگ کے تعلق سے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا عالم عرب کے نام ایک پیغام بھی ہے، جس کا ترجمہ مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے کیا ہے، جس میں سعودی عرب کے اس اقدام پر داد تحسین پیش کی گئی ہے کہ اس موقع پر سعودی عرب نے جس اہم اور دانشمندانہ کردار کا مظاہرہ کیا، اور پٹرول سپلائی کرنے والے دوسرے عرب ممالک کے ساتھ اپنے پٹرول کو ایک جنگی اور سیاسی حربہ کے طور پر جس ذہانت وجرأت اور حکمت کے ساتھ استعمال کیا، وہ قابل ستائش ہے۔

ایران کے اس وقت کے نائب وزیر اعظم منوچہر ازموں اور آیۃ اللہ العظمیٰ حاج مرزا خلیل کے مکاتیب بھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے نام ہیں جو ان کے مکتوب اور ارسال کردہ رسالہ "اسمعی یا ایران" کے جوابات بڑے متاثر سے لکھے گئے ہیں۔

یہ شمارہ عالم اسلام کی نابغہ روزگار شخصیات قائد تحریک اخوان المسلمین استاد حسن الہضیبی (مصر) مالک بن نبی (الجزائر) اور مولانا عبدالخبیر صادق پوری (انڈیا) کی وفات کی خبر بھی دیتا ہے، اس عنوان کے ساتھ کہ "چند دیے اور بجھے اور بڑھی تاریکی"۔

۲۵/دسمبر کا شمارہ ملکی سیاست پر ہے، جس میں ضروریات زندگی کی کمیابی، ہوش ربا گرانی، بیکاری، غریبی، مکانات کی دشواری، اور پھر فرقہ وارانہ فسادات کے باعث حالات کی ناسازگاری، ہڑتالیں، اسٹرائیک، رشوت ستانی، دفاتر کی سست رفتاری کی ساری ذمہ داری مرکزی حکومت یعنی کانگریس پر ڈالی گئی ہے، اور انتباہ دیا گیا ہے کہ حالات ٹھیک نہ ہوئے تو کسی بڑے انقلاب کا اندیشہ ہے، ۲۵/جنوری، ۱۰/فروری کا شمارہ مشترک ہے اور اس میں ایک خاص خبر یہ ہے کہ:

"عربوں کی روایتی شجاعت وجوانمردی ۱۰/رمضان المبارک ۱۳۹۳ھ کی عرب اسرائیل جنگ میں ظاہر ہوئی"۔

۲۵/مارچ کے شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا ملکی حالات پر شدید تاثر کا اظہار اور مولانا اسحاق جلیس ندویؒ کا اداریہ ہے: "ملک کی جلد خبر لیجیے"۔

لکھنؤ کے شیعہ سنی فساد پر بھی حقائق پیش کیے ہیں، باقی علمی، دینی، فکری، اصلاحی، معلوماتی مضامین اپنی جگہ مختلف شماروں میں ہیں، مشترکہ شمارہ طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم کا رہین منت تھا، عالمیت کے آخری درجہ کے طلبہ نے اسلامی علوم وفنون میں ایک ایک کو موضوع بنا کر گراں قدر مضامین لکھے۔

جلد (۱۲): ۱۰/نومبر ۱۹۷۴ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۵ء

مولانا اسحاق جلیس ندوی صدا لگاتے ہیں کہ ملک ایک نئی تحریک، ایک نئی عمارت کا منتظر مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ توجہ دلاتے ہیں کہ سیرت سازی اور اخلاقی اصلاح کے بغیر کوئی منصوبہ کامیاب نہیں، تحقیقی مضامین میں تاریخ وسنت میں امام زہری کا مقام ڈاکٹر احتشام احمد ندوی کے قلم سے ایک اچھوتا مضمون ہے، دنیا میں مختلف خطوں میں مسلمانوں کے اثرات کو ایک ایک ملک کو موضوع بنا کر مولانا محمود الازہار ندوی بیان کرتے نظر آتے ہیں، ڈنمارک کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جہاں ۱۵ ہزار مسلمان رہتے ہیں، اسی طرح آسٹریلیا کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۰ و ۲۵/مارچ و ۱۰/اپریل کا مشترکہ شمارہ فخر ندوہ وناظم دارالمصنفین مولانا شاہ معین الدین ندوی نمبر ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کا ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کا وقت آگیا، اس کی تیاریوں کا جائزہ مولانا شمس الحق ندوی نے ۲۵/مئی و ۱۰/جون کے مشترکہ شمارے میں پیش کیا ہے، اور اسی شمارہ کے اداریہ پیام انسانیت میں تنظیمی ڈھانچہ میں ڈھلنے کے بعد جس کا اجلاس الہ آباد میں ۱۹۷۴ء میں ہوا تھا، اور پیام انسانیت کے تنظیمی ڈھانچہ کے قیام کے بعد پہلے تاریخ ساز جلسہ کی روداد پیش ہے جو ۲۲/مئی کو گنگا پرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ہوا تھا، ملک کے لیے خیر خواہ کی حیثیت سے ہر شعبۂ زندگی سے مطالبہ ہے کہ مسلمان دنیائے انسانیت سے خیر خواہ کی حیثیت سے یہ شعبہ زندگی میں نمایاں ہوں، اسی شمارہ کا ایک خاص مضمون مولانا محمود الازہار ندوی کا امریکہ کے ہاتھوں اسرائیلی فوج کی تنظیم جدید پر بڑا معلومات افزا ہے، مولانا اسحاق جلیس ندوی نے مختلف صوبوں کے اپنے دورہ کی روداد پیش کی ہے، ۲۵/جون کے شمارہ میں اداریہ دینی تعلیمی کونسل کی چوتھی کل ہند کانفرنس پر ہے جو ۲۲، ۲۳/جون کو لکھنؤ میں منعقد ہوئی، ۲۵/اگست و ۱۰/ستمبر ۱۹۷۵ء کے مشترکہ شمارہ میں مصر واسرائیل معاہدہ پر مولانا اسحاق جلیس ندوی کا اداریہ خاصے کی چیز ہے جس میں انہوں نے اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ عرب اسرائیل مسئلہ میں سب سے اولین اہمیت بیت المقدس اور قبلۂ اول کو دینی چاہیے تھی، اور لکھا ہے کہ ایک قائد کی غلط اندیشی اور ایک آمر کی آمریت کا خمیازہ عالم عربی کو نہ جانے کب تک بھگتنا پڑے۔

جلد (۱۳): ۱۰/نومبر ۱۹۷۵ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۶ء

اس جلد کا پہلا شمارہ ۸۵ سالہ جشن تعلیمی کی شاندار روداد پیش کرتا ہے، اور اسلامی ادب کے نمونوں میں ایک بے مثال نمونہ کا اضافہ کرتا ہے، بعد کے شماروں پر جشن تعلیمی کا اثر بظاہر ہے، ۱۰/اپریل ۱۹۷۶ء کے شمارہ کا اداریہ مولانا اسحاق جلیس ندوی کے قلم سے "ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم میں قرآن، حدیث اور فقہ کا مقام" کے عنوان سے بڑا بصیرت افروز ہے، ستمبر اور اکتوبر کے شمارے شیخ التفسیر مولانا محمد اویس ندوی نگرامیؒ کے نقوش وخدمات کا آئینہ ہیں۔

جلد (۱۴): ۱۰/نومبر ۱۹۷۶ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۷ء

پہلے شمارہ میں بھی گذشتہ جلد کے آخری شماروں کی طرح مولانا محمد اویس نگرامیؒ کی وفات کا اثر رہا ہے، کیوں نہ ہو وہ تعمیر حیات کی مجلس مشاورت میں روز اول سے سرفہرست بزرگ تھے، دوسرے شمارے نے حج کی ندا لگائی، حجاج کو حج کے مقاصد ومنافع سے باخبر کیا، اور حج کرنا سکھایا، اور مقامات حج سے بھی واقف کرایا گویا ۲۵/نومبر و ۱۰/دسمبر کا یہ مشترکہ حج نمبر ہے، قربانی کو ساتھ لیے ہوئے ہے، اس لیے حج و قربانی نمبر کہنا زیادہ صحیح ہوگا۔

۱۰، ۲۵/جنوری وفروری ۱۹۷۷ء کے شمارے مشترک ہیں، اور خصوصی اشاعت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کی وفات پر ایک دور کے خاتمہ کی اطلاع دیتی ہے، اداریہ مفسر دریابادیؒ پر مدیر کے قلم سے ہے، یہ سانحہ ۶/جنوری ۱۹۷۷ء کو پیش آیا، ۱۵/جنوری کو اردو ادب کے دوسرے بڑے ستون رشید احمد صدیقی نے بھی رحلت فرمائی، انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے، عنوان ہے: "علی گڑھ کے رجل رشید" لیکن اس مشترکہ شمارہ کو مولانا دریابادی نمبر کہنا صحیح ہوگا، سبھی مضامین انہی پر ہیں اور بڑی چیدہ شخصیات کے قلم سے، بعد کے شماروں میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بعض خطابات، مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کے ملفوظات اور مختلف موضوعات پر فکر انگیز اداریے مضامین کے علاوہ آخر کے شماروں میں روزہ اور رمضان اور عید کی جلوہ نمائی ہے، اور آخری مشترکہ شمارہ میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا چشم کشا خطبہ بھی ہے، اور ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ میں کیے گئے خطاب کو بعینہ پیش کیا گیا ہے، مولانا کا امریکہ کا سفر آنکھ کے آپریشن کی وجہ سے ہوا تھا جو الحمد للہ کامیاب رہا تھا، اس سفر کی مکمل ومفصل روداد ان کے رفیق سفر عزیز اور لائق وفائق بھانجے مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے "دو مہینے امریکہ میں" کے نام سے مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے شائع ہوئی۔

جلد (۱۵): ۱۰/نومبر ۱۹۷۷ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۸ء

اس جلد کے شماروں کی خاص بات خطیب عرفات امام حرم شیخ عبدالعزیز کی ندوۃ العلماء کی آمد ہے جو کسی امام حرم یا خطیب عرفات کی پہلی آمد تھی، ندوہ تو چشم براہ رہا، تعمیر حیات کے صفحات بھی اسی میں ڈوبے رہے، پھر ملکی غیر ملکی حالات اور مسلم مسائل سے متعلق اداریے، اور مضامین کے علمی، تاریخی، جغرافیائی، دینی و تحقیقی مقالات ومضامین سے بھی صفحات مزین رہے۔

جلد (۱۶): ۱۰/نومبر ۱۹۷۸ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۹ء

۱۰/نومبر ۱۹۷۸ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۷۹ء کی یہ جلد ماتمی جلد قرار پائے گی، بانی مدیر تعمیر حیات مولانا سید محمد الحسنیؒ کا نثری مرثیہ مدیر تعمیر حیات مولانا اسحاق جلیس ندوی نے ۲۵/جون و ۱۰/جولائی کے مشترکہ شمارہ میں تحریر کیا، اگلا شمارہ ۲۵/جولائی کا تھا، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد مولانا اسحاق جلیس ندوی بھی اپنے رفیق محترم سے جا ملے، اس کے بعد اہل ندوہ کی عید کی خوشی غم میں بدل گئی کہ اس کے سرپرست معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا عبدالسلام ندوی بھی وفات پا گئے، اور تعمیر حیات کی خصوصی اشاعت ان تینوں شخصیات سے متعلق سامنے آئی۔

جلد (۱۷): ۱۰/نومبر ۱۹۷۹ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۰ء

مولانا شمس الحق ندوی کے زیر ادارت اس پہلی

جلد کو عالم اسلام کے جن نت نئے مسائل سے سامنا پڑا، جن میں سب سے زیادہ ناپاک سازش اسلام و مسلمان کے خلاف حرم شریف پر قبضہ کی کوشش تھی، مولانا شمس الحق ندوی نے اس کو خانۂ خدا پر بے غیرت دشمن کا ناپاک حملہ سے تعبیر کیا ہے، قطر میں تیسری عالمی سیرت کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے کلیدی شخصیت کی حیثیت سے شرکت کی، اس کی دو قسطوں میں تفصیلی روداد مولانا عبد اللہ حسنی ندویؒ کے قلم سے ہے، جو سفر میں ساتھ تھے، اس کے علاوہ افغانستان میں روسی جارحیت اور ایک اسلامی جہاد سے متعلق ایمان افروز مضامین اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو شاہ فیصل ایوارڈ دیے جانے کی تقریب جس میں حضرت مولاناؒ کی طرف سے مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ نے ایوارڈ وصول کیا، اور حضرت مولاناؒ کی طرف سے تعلیم وجہاد کے لیے یہ رقم وقف کی گئی، اس کی روداد اور پھر دار العلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس کا وقت آ گیا، ۲۵/مارچ ۱۹۸۰ء مطابق جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ کا اداریہ ہے: ”دار العلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس اور بدلتے ہوئے حالات میں اس کے خوش آئند عزائم“، اگلے شمارے میں دیوبند کے اس اجلاس میں کی گئی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تقریر ہے جسے حاصل اجلاس کہا گیا تھا، تعمیر حیات کا اداریہ ہے، اور جو عرب وعجم کی شخصیات دیوبند کے اجلاس میں آئی تھیں، ان میں جو دار العلوم ندوۃ العلماء بھی آئے، ان کے تذکروں اور ندوہ میں ان کی مجالس کی بھی گونج ان شماروں میں ہے، ادھر ایران وعراق جنگ نے جو مسائل کھڑے کیے تعمیر حیات ان سے کہاں غافل رہ سکتا تھا، ۱۰/اکتوبر کا اداریہ اسی پر ہے، اتنے میں چودھویں صدی کے اختتام اور پندرہویں صدی کے آغاز کا وقت آ گیا، چنانچہ ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۰ء مطابق ۱۵/ذی الحجہ ۱۴۰۰ھ کا شمارہ پندرہویں صدی ہجری کو خوش آمدید اپنے سرپرست حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی زبان میں کہتا ہے اور اس کے ذریعے پیغام اتحاد وعمل دیتا ہے، مولانا عبد اللہ عباس ندوی ہجرت کے سفر کو یاد دلا کر اس عہد جدید کا استقبال کرتے تعمیر حیات کے صفحات پر نظر آتے ہیں۔

جلد (۱۸): ۱۰/نومبر ۱۹۸۰ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۱ء

اس میں اسلام دشمن طاقتوں اور استعماری و سامراجی نظام کے استبدادی مزاج نے عالم اسلام کے لیے جو حالات چودہویں صدی ہجری کے اختتام پر پیدا کیے، ان کے نتائج سے آگاہ کرنے والی اور ان حالات سے نبرد آزما ہونے والی یہ جلد ہے۔

خصوصی اشاعت

مختلف شخصیات پر تعمیر حیات نے نمبر نکالے، لیکن مولانا عبد النور (نور عظیم ندوی)، مولانا محمود الازہار ندوی، مولانا شمس الحق ندوی کے زیر ترتیب جو خصوصی اشاعت ندوہ اور تعمیر حیات کی ان تین عظیم شخصیات پر جو خصوصی اشاعت منظر عام پر آئی اس نے صحافتی دنیا میں ہلچل مچا دی، یہ تین شخصیتیں مولانا محمد الحسنیؒ، مولانا اسحاق جلیس ندویؒ، مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ کی ہیں، جنہوں نے بالترتیب رجب، شعبان اور آخر رمضان میں وفات پائی۔

آخری کارنامہ

مدیر تعمیر حیات مولانا اسحاق جلیس ندوی کا آخری اور بڑا صحافتی کارنامہ جو انسانی درد وسوز اور اسلامی مفادات کے تحفظ میں ان کے قلم سے انجام پایا، وہ ان شبہات کا ازالہ تھا، جو ذوالفقار علی بھٹو سابق وزیر اعظم پاکستان کے پھانسی دیے جانے کے صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق کے اقدام سے سامنے آئے تھے، انہوں نے ان حقائق کے مضمرات سے پردہ اٹھایا جو انہی جیسے بے باک صحافی سے متوقع تھے، اور جنرل ضیاء الحق کے اقدام کو ہر زاویہ سے مستحسن قرار دیا۔

نئی ادارت

ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں نے ادارت کی ذمہ داری مولانا شمس الحق ندوی پر ڈالی جن کا ان دونوں مدیروں کا ساتھ پہلے سے تھا، اور وہ اپنے قلمی تعاون سے تعمیر حیات کو نوازتے رہتے تھے، انہوں نے ہر اہم موقع پر خود اداریے لکھنے کے بجائے اپنے بڑوں سے اس سلسلہ میں رہنمائی زیادہ بہتر سمجھی، چنانچہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا انتقال ہوا تو اس موقع پر اداریہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے پیش کیا، اور بعد میں مولانا موصوف سے اور ندوۃ العلماء کے نئے معتمد تعلیم مولانا عبد اللہ عباس ندوی سے بعض اہم موضوع اور مناسبت سے اداریے لکھنے کی فرمائش کی، اور اب ان دونوں بزرگوں کے قلم سے نکلے یہ اداریے مجموعہ کتاب کی صورت میں سامنے آ چکے ہیں، مولانا عبد اللہ عباس ندوی کے اداریے ”مشاہدات وواردات“ کے نام سے اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے اداریے اور مضامین تعمیر حیات ان کی کتابوں ”عالم اسلام اور سامراجی نظام“، ”ہمارا سماج“، ”حالات حاضرہ اور مسلمان“ اور ”یادوں کے چراغ“ میں دیکھے جا سکتے ہیں، اس کے علاوہ مولانا ابوالعرفان خان ندوی جو نگراں تعمیر حیات تھے اور مولانا محمود الازہار ندوی جو کچھ عرصہ شریک ادارت رہے، کے قلم سے بھی اداریے سامنے آئے، اور وہ سب ملت کی آواز اور انسانیت کے حدی خواں تھے، بعد میں مولانا امین الدین شجاع الدین اور مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری کو بھی شریک ادارت کیا گیا، اور ان کے بھی اداریے ملی وعالمی مسائل میں رہنما کردار کے حامل رہے، مولانا شمس الحق ندوی کے اداریے آج بھی اسی آب وتاب سے ہر شمارہ کے زینت بنتے ہیں، اور دعوت وفکر وعمل کے حامل ہوتے ہیں، اس پچاس سالہ خصوصی پیش کش کا اداریہ بھی انہی کے قلم سے ہے، اور موجودہ حالات میں امت کو جس پیغام کی ضرورت ہے، وہ پیغام دے رہا ہے۔

جلد (۱۹): ۱۰/نومبر ۱۹۸۱ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۲ء

اس جلد کا آغاز نئے ہجری سال سے ہو رہا ہے، مولانا محمود الازہار ندوی کا اداریہ ہے: ”سن ۱۴۰۲ھ کا پیغام“، ۱۰/نومبر کے اس شمارہ پر مولانا ابوالعرفان خان ندوی کا نام نگران اعلیٰ کے طور پر درج ہے اور مجلس ادارت اس طرح ہے: نذر الحفیظ ندوی، شمس الحق ندوی، محمود الازہار ندوی، یہ شمارہ اس وقت سامنے آیا جب حجاج واپس آ چکے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے بھی حج کیا تھا اور وہ ان کا آخری حج تھا، انہوں نے یہاں آ کر جو اپنے مشاہدات واحساسات سامنے رکھے، ۲۵/نومبر کا شمارہ اس سے مزین ہے، ۱۰/جنوری ۱۹۸۲ء کے شمارہ میں افغانستان اور روس کی جنگ پر جس کے ۲۷/دسمبر کو دو سال پورے ہوئے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا دوٹوک بیان ہے کہ افغانستان پر روسی حملہ کا کوئی جواز نظر نہیں آتا، کچھ اہم شخصیات کے سانحہ ارتحال کی خبریں اور ان پر مضامین بھی مختلف شماروں میں ہیں، جیسے ۱۵/جنوری کو معتمد مال ندوۃ العلماء جناب مصباح الدین نقوی کی رحلت، ۱۶/فروری کو مولانا سید محمد ثانی حسنی کی وفات، پھر عالم عرب کی ممتاز وقد آور شخصیت شیخ عبد اللہ علی محمود کا انتقال، یکم شعبان المعظم کو مدینہ منورہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی رحلت، اور سعودی عرب کے شاہ خالد بن عبد العزیز کی وفات وغیرہ، اسلام اور مستشرقین پر دار المصنفین اعظم گڑھ نے انٹرنیشنل سیمینار منعقد کیا، اور عالمی سطح پر ممتاز دینی وعلمی شخصیات نے شرکت کی، اس کی تفصیلات ۱۰/مارچ، ۲۵/مارچ کے شماروں میں ہیں، ان ہی شماروں میں ہے کہ حاکم شارجہ شیخ سلطان بن محمد القاسمی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے ملنے آئے، اور حضرت مولانا نے ان کا یہ کہہ کر استقبال کیا کہ مبارک ہے وہ حاکم جو درویش کے دروازے پر جائے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے سپاس نامہ پیش کیا، حاکم شارقہ نے جواباً خطاب کیا، دونوں کا ترجمہ اردو سے عربی اور عربی سے اردو میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی نے کیا، ۲۵/جولائی کے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے عالم عربی کے حالات پر اداریہ ہے، جلد کے آخری مشترکہ شمارے میں اداریہ مولانا محمود الازہار ندوی کے قلم سے لبنان میں فلسطینیوں کے قتل عام اور عالم اسلام کی ذمہ داریوں پر ہے۔

جلد (۲۰): ۱۰/نومبر ۱۹۸۲ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۳ء

اس جلد کا آغاز ماسٹر محمد سمیع صدیقی کی وفات کے اطلاع سے ہے، اس سانحہ پر اداریہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے ہے، یہ ندوہ کا بڑا سانحہ تھا، ۱۰/فروری کے شمارہ کا اداریہ مولانا ابوالعرفان ندوی کے قلم سے ”علوم نبوت ہی انسانیت کے درد کا درماں“ کے عنوان سے ہے، ۱۰/مئی کے شمارہ میں ندوہ کی علمی نمائش جو ناظم جمعیۃ الاصلاح مولانا اسحاق حسینی ندوی اور ان کے رفقاء کی فکر ومحنت کی رہین منت تھی، اس پر حکیم عبد القوی دریابادی کا تاثر بڑا خاصے کی چیز ہے، نمائش کے موقع پر غیر مسلم دانشوروں کو بھی دعوت دی گئی تھی اور ان سے مقالات پڑھوائے گئے تھے، معروف ادیب خواجہ احمد فاروقی نے کہا کہ نمائش دیکھ کر دنگ رہ گیا، واقعی ندوہ نے ذہنی اور روحانی انقلاب پیدا کر دیا، ڈاکٹر غیاث الدین نگرامی ندوی نے اس کی تفصیلات سے باخبر کیا ہے، اسی طرح مولانا زاہد حسین ندوی نے دار العلوم میں توسیعی خطبات پر روشنی ڈالی ہے، اور یہ شمارہ اس طرح ایک تاریخی دستاویز بن گیا ہے، تبصرہ کتب میں مولانا ابوالعرفان خان ندوی کا خورشید فارق صاحب کی کتاب تاریخ اسلام از ۱ھ تا ۱۳۲ھ پر سخت ریمارک ہے، جس سے بڑے حقائق کھلتے ہیں، اور تاریخ کے دریچوں سے وہ آگاہی ہوتی ہے جو بڑی کتابوں سے نہیں ہوتی، اس تبصرہ کے ذریعہ انہوں نے ان تمام شکوک وشبہات کا ازالہ کیا ہے جو مصنف نے خلافت راشدہ پر پیدا کر دیے تھے، ۲۵/اکتوبر کے شمارہ میں اس کی دوسری قسط ہے۔

جلد (۲۱): ۱۰/نومبر ۱۹۸۳ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۴ء

جہاد افغانستان کے چار سال مکمل ہونے پر مولانا محمود الازہار ندوی نے اپنے اداریہ میں روسی جارحیت اور اس کے غلط اور گمراہ کن پروپیگنڈہ کو نشانہ بنایا ہے، ۲۵/فروری کے شمارہ کا خاص مضمون مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے قلم سے ہے ”شرعی اوزان، پیمانے، اور پیمائش“، ۱۰/مارچ کا خاص مضمون ندوۃ العلماء میں مدارس عربیہ کے نظام ونصاب پر منعقد مذاکرۂ علمی کے انعقاد پر ہے، ۲۵/مارچ و ۱۰/اپریل کا مشترکہ شمارہ انہی مقالات ومضامین پر مشتمل ہے، جو اس مذاکرۂ علمی میں پیش کیے گئے ہیں، ۱۰/مئی کے شمارہ کی خاص بات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سورۂ والعصر کی تفسیر ہے، جس میں انہوں نے اس کی روشنی میں زندگی گزارنے کا سلیقہ بتایا ہے، رمضان آ گیا، اس کا شاندار استقبال مولانا شمس الحق ندوی نے ایڈیٹر کی میز سے کیا ہے، ۲۵/مئی کا شمارہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی سربراہی میں بین الاقوامی تنظیم رابطہ ادب اسلامی کے قیام کی اطلاع دیتا ہے، اور اپنے اداریہ سے مفتی عتیق الرحمن عثمانی کی وفات پر ملت سے تعزیت پیش کرتا ہے، ۱۰/جون کا اداریہ مولانا محمود الازہار ندوی کے قلم سے ایران عراق جنگ کے طول کھنچ جانے پر خدشات کے اظہار پر ہے، انہی نے ۲۵/جون کے اداریہ میں رمضان کو الوداع اور عید کو خیر مقدم کہا ہے، اور ۱۰/اکتوبر کے شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سفر یمن کی روداد مولانا عبد النور ندوی کے قلم سے ہے، جو سوال وجواب سے اخذ کردہ معلومات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے۔

جلد (۲۲): ۱۰/نومبر ۱۹۸۴ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۸۵ء

مسلم مسائل کے لیے خاص طور پر اندرون ملک ایک ہنگامہ خیز جلد ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی قیادت میں مطلقہ کے نان ونفقہ کے مسئلہ کے لیے مسلمانان ہند نے جو فکری لڑائی لڑی، اس

میں کامیابی ملی، اور پارلیمنٹ سے برسر اقتدار پارٹی نے اسلامی شریعت کے حق میں اس سلسلہ میں فیصلہ منظور کرایا، صدر کانگریس راجیو گاندھی وزیر اعظم ہند کے اس اقدام سے دنیا کے بھر کے مسلمان خوش ہوئے۔

جلد (۲۳): ۱۰/ نومبر ۱۹۸۵ء تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۶ء

مگر افسوس کہ ووٹ کی پالیسی سے مجبور ہو کر ایک دوسرا شوشہ اجودھیا میں بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا کھڑا کرکے ایک نئے فتنہ کو جنم دے گیا ہے، جس کی قانونی لڑائی لڑی جارہی ہے، تعمیر حیات اس کے مضمرات، اندیشوں سے باخبر کرتا ہے، اس کے علاوہ بین الاقوامی، ملی، دینی، دعوتی، سیاسی مسائل، علمی مذاکرات، اسلامی کانفرنسوں اور دینی اجتماعات کی رپورٹ بھی پیش کرتا ہے، اور اپنے اداریوں اور مضامین کے ذریعہ دعوت فکر وعمل دیتا ہے۔

جلد (۲۴): ۱۰/ نومبر ۱۹۸۶ء تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۷ء

شروع کے شماروں میں سابق مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء مولانا عمران خان ندوی کے سانحہ ارتحال کی افسوس ناک خبر، امام حرم کی یکم نومبر کو ندوہ تشریف آوری اور رابطہ عالم اسلامی کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر النصیف کی آمد اور ان کا استقبال عارف باللہ مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کی مجالس ندوہ کی تفصیلات امام حرم اور رابطہ کے وفد کی ندوہ کے پروگراموں کی تفصیلات اور بعد کے شمارہ میں جہاد افغانستان پر مضامین اور ۲۵/ اگست ۱۹۸۷ء کے شمارہ میں حرم مکی کے قریب ایرانی جارحیت پر دلسوز اداریہ مولانا محمود الازہار ندوی کے قلم سے اور جلد کے آخری شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سفر ملیشیا کی قسط وار روداد سفر اس جلد کی خصوصیات ہیں۔

جلد (۲۵): ۱۰/ نومبر ۱۹۸۷ء تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۸ء

ندوۃ العلماء میں رابطہ ادب اسلامی کی طرف سے منعقد سمنار بعنوان حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے اثرات اردو زبان وادب پر بھی تفصیلات، سید صباح الدین عبدالرحمٰن کی وفات، میرٹھ کا ہولناک مسلم کش فساد، لکھنؤ میں تقدس حج کانفرنس کا انعقاد، فلسطین کی تحریک مزاحمت، حاجی علاء الدین میمنی کی وفات (۹/ جون ۱۹۸۸ء)، اسلام آباد کی فیصل مسجد کا تعارف، اور یہ اندوہناک خبر کہ جنرل ضیاء الحق اپنی پوری ٹیم کے ساتھ شہید ہوئے، حادثۂ جانکاہ کی تفصیلات اور مضامین، اور ۱۰/ اکتوبر کے شمارہ میں "ورفعنالك ذكرك" کے عنوان سے سیرت پاک پر مدیر کے قلم سے اداریہ اور ۲۵/ اکتوبر کے شمارہ میں دشمن اسلام رشدی کی شیطنت پر مولانا شمس الحق ندوی کے ہی قلم سے اداریہ اس جلد کی خصوصیات ہیں۔

جلد (۲۶): ۱۰/ نومبر ۱۹۸۸ء تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۸۹ء

ضیاء الحق پر مضامین کا سلسلہ جاری تھا کہ ندوہ کو اپنی چند محترم شخصیات سے بھی داغ مفارقت دینا پڑا، مولانا ابوالعرفان خان ندوی اور مولانا ضیاء الحسن اعظمی تو استاد تھے، اور مولانا عبیداللہ بلیاوی کی شخصیت کا تعلق مرکز نظام الدین دہلی سے تھا اور ندوہ بار بار تشریف لاتے تھے، بڑا تعلق رکھتے تھے، ان پر بھی مضامین اور پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قابل فخر فاضل مولانا عبدالباری ندوی کی علمی شخصیت پر چار قسطوں میں مولانا ڈاکٹر غلام محمد کراچی کے قلم سے مئی، جون، جولائی کے شماروں میں مضامین اور کئی قسطوں میں آخر کے شماروں میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے نام مشاہیر عرب کے خطوط کا ترجمہ مدیر کے قلم سے اس جلد کا امتیاز ہے، اور آخری شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سفر لندن وآکسفورڈ کی روداد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے ہے۔

جلد (۲۷): ۱۰/ نومبر ۱۹۸۹ء تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۰ء

۱۰/ نومبر ۱۹۸۹ء کا شمارہ ۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ کے مطابق ہے، ملک کے حالات بدامنی اور فسادات، مذہبی منافرت کے ہیں، مدیر کا اداریہ اسی پر ہے، عنوان ہے: "ملک کی کشتی گرداب میں"، اور یہ سب نتیجہ بابری مسجد اور رام جنم بھومی قضیۂ اجودھیا کا ہے، اس کے متعلق دہلی یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر گیانند پانڈے کا مضمون ۲۵/ دسمبر کے شمارہ میں شائع ہوا ہے کہ اجودھیا کی تلاش اور شناخت ناممکن ہے، مسیحی دنیا کی اسلام دشمنی ایک مسئلہ بنی ہوئی ہے، اس پر مضمون عصر جدید کے عظیم مؤرخ محمد محمود شاکر مصری کا ہے، جس کا ترجمہ مولانا عبدالرزاق ندوی نے کیا ہے، مولانا عبدالباری ندوی تلمیذ علامہ شبلی نعمانیؒ کا اپنے دیرینہ رفیق اور ناظم ندوۃ العلماء حکیم مولانا سید عبدالعلی حسنی پر "ان هذا الاملك كريم" کے عنوان سے مضمون ان کے ورثاء کو ملا، وہ تعمیر حیات کے صفحات کی زینت بن رہا ہے، ۲۵/ دسمبر کے شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے خانگی حادثہ یعنی اہلیہ کی وفات کی اطلاع اور ان کا سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب کی شخصیت پر مضمون قابل توجہ ہے، ۱۹۸۹ء پورا ہوا، مولانا شمس الحق ندوی نے اپنے اداریہ میں اسلامی مجاہدین کے ذریعہ روسی سامراج کی افغانستان میں شکست اور پسپائی کو موضوع بنایا، اسی شمارہ نے جماعت اسلامی ہند کے قیم اور مصنف مولانا افضل حسین اور پاکستان کے مولانا سید احمد الحسنی کے انتقال کی خبر بھی دی ہے، ۱۰/ فروری کے شمارہ میں مولانا برہان الدین سنبھلی کا سفرنامہ امریکہ ہے: "کولمبس کے دیش میں ڈھائی ہفتے" کے عنوان سے، اور اسی شمارہ سے مولانا سید سلمان حسینی ندوی کا مضمون: "مطالعہ وتدریس حدیث-غور وفکر کے چند گوشے" کے عنوان سے قسط وار شروع ہوتا ہے، ۲۵/ اپریل و ۱۰/ مئی کا شمارہ مشترکہ ہے، اس میں کشمیر میں پروفیسر مشیر الحق ندوی کی مظلومانہ شہادت اور لکھنؤ میں مولانا دریابادیؒ پر سیمینار میں حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کا خطبۂ صدارت ہے، ۲۵/ مئی کے شمارہ میں مولانا عبداللہ عباس ندوی نے پروفیسر مشیر الحق ندوی پر مضمون لکھا:

"ایک چراغ جو گل کردیا گیا"۔

۱۰/ جولائی کا شمارہ ایران میں قیامت خیز زلزلہ کی تفصیلات پیش کرتا ہے، ۲۵/ جولائی کا شمارہ دو ندوی فاضل ذکی الدین افریقی اور ڈاکٹر ارشد حسین ندوی کی وفات پر مضمون پیش کرتا ہے، ۱۰/ اگست کے شمارہ میں دہلی میں منعقد مجاہد ملت سیمینار کے لیے لکھا گیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا مضمون "مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی" آزادی کی تاریخ اور اخلاص وقربانی کے نقوش پیش کرتا ہے، "اسلامی اخلاق-قرآن وسنت کی روشنی میں" مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا قسط وار مضمون بھی ایک رہنما اور تربیتی کردار ادا کرنے والا مضمون ہے، ۲۵/ اگست کا شمارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شعبۂ تربیت افتاء کے قیام کی خبر دیتا ہے، ۱۰/ ستمبر ۱۹۹۰ء کا اداریہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے عالم عربی کے حالات پر "کویت پر عراق کا قبضہ" کے عنوان سے ہے جس میں صدام حسین کی آمریت اور ان کے اسلام پسندوں پر مظالم اور البعث العربی جس کے زیر سایہ وہ پروان چڑھا ہے، اس کی پوری تاریخ اجمالی طور پر آگئی ہے، اور ان کی اس کے قبل ایران کے جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ایران سے جنگ صدر صدام حسین نے مذہب یا سنی عقیدہ کی بنیاد پر نہیں لڑی، بلکہ فوجی نظریہ کی بنیاد پر لڑی، اور جب کسی نے مذہبی نظریہ کی بات کی تو اس کو خاموش کردیا، اور انہی حالات پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا مضمون ہے: "عالم عربی کا تازہ المیہ اور اس کا دینی، اخلاقی، اصولی ودعوتی نقطۂ نظر سے مطالعہ وجائزہ"، ۲۵/ ستمبر کے شمارہ میں ریاض سے ندوی فاضل مولانا سعید مرتضیٰ ندوی کا مکتوب شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے سعودی عرب کے عراقی حملہ کے تناظر میں امریکی فوجوں کو بلانے کا پرزور دفاع کیا ہے، "حمد ومناجات" پر رائے بریلی میں رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار منعقد ہوا، اس کی تفصیلات ۲۵/ اکتوبر کا شمارہ پیش کرتا اور اس کا شوق دلاتا ہے، جس میں سرکردہ عرب شخصیات شیخ احمد محمد جمال وغیرہ نے بھی سعودی عرب سے آکر شرکت کی تھی۔

جلد (۲۸): ۱۰/ نومبر ۱۹۹۰ء تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۱ء

ملکی اور عالمی مسائل کو لے کر یہ جلد کئی حیثیتوں سے ممتاز ہے، بابری مسجد کے مسئلہ کو لے کر ملک گیر جن حالات کا سامنا مسلمانوں کو کرنا پڑا، اور خلیج کی جنگ یعنی عراق کا کویت پر پے در پے حملہ اور پھر دنیا کے اتحادی ممالک کا امریکہ کی قیادت میں عراق پر حملہ، سعودی عرب امریکی فوجوں کا اترنا، مذہبی منافرت کی کوششیں، ان پر مولانا عبداللہ عباس ندوی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مدیر کے قلم سے بڑے رہنما اداریے ہیں، شروع کے شماروں میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا "اسلامی اخلاق-قرآن وسنت کی روشنی" کے عنوان سے کئی قسطوں میں مضمون ہے، پھر رمضان المبارک میں امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کی وفات سے ملت کو صدمہ سے دوچار ہونا پڑا، انکی شخصیت پر مضامین اور ۲۵/ جولائی کا اداریہ اشتراکیت کے تابوت پر آخری کیل کے عنوان سے ہے اور لکھا ہے کہ ۱۷/ جولائی ۱۹۹۱ء کی تاریخ عالمی حوادث کی تاریخ میں یادگار دن شمار ہوگا، یہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے ہے، اور خلفاء اربعہ کی سیرت وخدمات پر بڑا ہی محققانہ وعارفانہ خطاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۱ء کے شمارہ کی زینت ہے۔

جلد (۲۹): ۱۰/ نومبر ۱۹۹۱ء تا ۲۵/ اکتوبر ۱۹۹۲ء

اس جلد کا آغاز شیخ وقت مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی کی وفات کی اطلاع سے ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اس سانحہ پر "ایک بڑا حادثہ" کے عنوان سے اداریہ لکھا ہے اور ان کی شخصیت پر ان کے عقیدت مندوں کے کئی اہم مضامین و مقالات ہیں، اس زمانہ میں بھوپال میں رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار ہو رہا تھا، اس کی روداد اور اس کے متعلق مضامین شمارہ کا دوسرا حصہ ہیں، ۲۵/ نومبر کے شمارہ کا اداریہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے "آتشیں لحاف" کے عنوان سے طنزیہ ادب کا ایک شاہکار نمونہ ہے، اس خاتون اردو افسانہ نگار پر جس نے وصیت کی تھی کہ اس کو مرنے کے بعد جلایا جائے، ۲۵/ دسمبر کے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اداریہ لکھا ہے کہ ہمارا کردار غیر مسلموں میں کیسا ہونا چاہیے، اور سیرت نبویؐ کے نمونے پیش کیے ہیں، اشتراکیت اور کمیونزم کے خاتمہ اور شکست پر مولانا عبداللہ عباس ندوی نے ۱۰/ جنوری کے شمارہ میں معرکہ آرا اداریہ لکھا ہے، لبرل اور بنیاد پرستی پر ان کا اداریہ ۱۰/ جون کے شمارہ میں معرکہ کا ہے، ۲۵/ جون کے شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے اتحاد ملت کانفرنس ممبئی کے خطبہ کو افتتاحیہ بنایا گیا ہے، جس کا عنوان ہے "ملک وملت دونوں خطرہ میں"، جولائی واگست کے شماروں میں مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی کا سلسلہ وار مقالہ "حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا ادبی پہلو" اہمیت کا حامل ہے، ۲۵/ اگست کے شماروں میں مولانا نور عظیم ندوی کے قلم سے ادب اسلامی کی تعارفی مہم کے لیے کئی شہروں کے ایک سفر کی روداد ہے، جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی قیادت میں ہوا تھا، ۱۰/ دسمبر کا شمارہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم وزبان سے صاحب مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ مولانا مسعود شمیم کے حادثہ وفات کی اطلاع دیتا ہے، ۲۵/ ستمبر کا شمارہ مشہور صحافی حسین امین کے قلم سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے سفر بخارا اور وہاں آکسفورڈ اسلامک سنٹر کے زیر اہتمام امام بخاریؒ پر انٹرنیشنل سمینار کی رپورٹ پیش کرتا ہے، ۱۰/ اکتوبر میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اداریہ ہے، اور آخری شمارہ میں بھی مولانا محترم ہی کا اداریہ ہے، اہل اسلام افغانستان سے بوسینا تک، عجیب بات ہے کہ ادھر افغانستان کے

مسئلہ میں ۱۲سال کی جنگ کے بعد اسلام اور مسلمانوں کو کمیونزم اور اشتراکیت پر غلبہ حاصل ہوا، ادھر مسلمانوں کو بوسینا میں ایک اور سنگین صورتحال کا سامنا کرنا پڑا، واقعی مومن کی گاڑی شکر اور صبر کے درمیان چلتی رہتی ہے، اور دشمن مسلسل اپنے مکر میں مصروف رہتے ہیں۔

جلد (۳۰): ۱۰/نومبر ۱۹۹۲ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۳ء

یہ نئی جلد ہندوستان میں ملک وملت کو درپیش مسائل سے آگاہ کرتی ہے، ۶/دسمبر ۱۹۹۲ء کو بابری مسجد کا المناک حادثہ شہادت پیش آیا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے اسی پر اداریہ ہے، اس میں جو حالات پیش آئے اور ہیں اور اس میں اسلامی حل علماء ومفکرین نے جو پیش کیے ہیں، تعمیر حیات کے صفحات ان سے بھرے ہوئے ہیں، اور ۱۰/، ۲۵/جون کے شماروں میں مولانا نور عظیم ندوی کے سانحہ وفات اور مشہور عراقی عالم ومجاہد شیخ محمد محمود الصواف کے انتقال پر مضامین ومقالات پیش کرتے ہیں، رمضان وعید کے مشترکہ شمارہ کے بعد بقرعید قریب آگئی، مولانا شمس الحق عید قرباں کا پیغام اپنے اداریہ میں دے رہے ہیں، جلد کے آخری شمارہ کا مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے سامراجی حالتوں کی بہبودیت کے نام پر اپنے مقاصد بروئے کار لانے پر ہے، جمہوریت آئینۂ ایام کے عنوان سے یہ اداریہ موجودہ حالات پر خوب روشنی ڈالتا ہے، اس اداریہ میں الجزائر کی نظیر پیش کی گئی ہے، آج مصر کو انہی حالات سے گذرنا پڑا کہ جب انہیں غلبہ حاصل ہوا تو دہشت گردی کا الزام لگا کر ان کے خلاف سازش رچی گئی، اور اقتدار سے بے دخل کردیا گیا، اداریہ اسی طرح آج بھی تازہ ہے۔

جلد (۳۱): ۱۰/نومبر ۱۹۹۳ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۴ء

مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اپنے اداریہ میں لکھا تھا کہ مصری اخبارات نے اخوانیوں کو ارہابی اور دینی اصلاحات نافذ کرنے کا مطالبہ کرنے والوں کو رجعی لکھنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ الفاظ مسلمانوں کے چڑھانے، خوف زدہ کرنے بلکہ ایک طرح کی گالی دینے کے لیے استعمال ہونے لگے، مولانا نے آج سے ۲۰ سال سے پہلے جو بات لکھی، اخوانیوں کے اقتدار میں آنے کے بعد ان کو اقتدار سے باہر کرنے کے لیے انہی الفاظ کا سہارا لے کر عالمی سازش رچی گئی، اس شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ایک خطاب بھی درج ہے، جس کا عنوان ہے ”آئندہ نسل کی فکر کیجیے“، جو جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں کیا گیا ہے، نسل نو کی دینی تعلیم کی فکر پر اگلے شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ہی ”وقت کا سب بڑا جہاد“ کے عنوان سے مضمون ہے، اور وہ واقعی دینی مکاتب کے قیام وترویج کو وقت کا سب سے بڑا جہاد کہتے تھے، ۱۰/دسمبر کا شمارہ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی وفات کی خبر لے کر آیا، ان پر اداریہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے ہے، ۲۵/دسمبر کا شمارہ بابری مسجد کی شہادت پر ایک سال گذرنے پر ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ اس ایک سال میں فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجہ میں ملک کا اقتصادی اور انسانیت کا خونی کس قدر نقصان ہوا، ۱۰/جنوری کے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے سلسلہ وار مضمون ”سمرقند و بخارا کی بازیافت“ کی آخری قسط ہے، یہ اصلاً ان کا سفرنامہ ہے جسے جغرافیائی وتاریخی حیثیت سے تاریخ کا ایک حصہ بنادیا ہے، یہ شمارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد حدیث مولانا بشیر حسین صدیقی کی وفات کی اطلاع دیتا ہے، ان پر مضمون ان ہی کے ایک شاگرد مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری کے قلم سے ہے، اسی طرح مولانا محبوب الرحمٰن ازہری استاد دارالعلوم کا سلسلہ وار مضمون ”سفر قادیان“ بھی معرکہ کا مضمون ہے، ۲۵/فروری کا شمارہ عید کی تہنیت پیش کرتا ہے، مدیر تعمیر حیات مولانا شمس الحق ندوی فرماتے ہیں: یہ عید تجدید عہد کا دن ہے، یہی اداریہ ہے، حج کے زمانہ میں منیٰ حادثہ، رمی جمرات کے موقع پر متعدد جانوں کے اتلاف کی شکل میں پیش آیا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اس سلسلہ میں ایک رہنما مضمون مولانا کے ہی قلم سے ہے، حج کے موقع پر کی گئی شاہ فہد کی تقریر کے اجزاء جس میں پورے عالم کا جائزہ لیا گیا ہے، ڈاکٹر یونس نگرامی ندوی نے پیش کیا ہے، ملک کو طاعون کی وبا نے گھیرا، اس کے باطنی اسباب کی طرف مدیر تعمیر حیات نے اپنے ۱۰/اکتوبر کے اداریہ میں توجہ دلائی ہے۔

جلد (۳۲): ۱۰/نومبر ۱۹۹۴ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۵ء

پہلا شمارہ عام نوعیت کا ہے، دوسرا شمارہ ۲۵/نومبر کا ہے، ندوۃ العلماء میں پولیس چھاپہ پر ذمہ داران ندوہ ودانشوران ملک وملت، ذمہ داران حکومت ریاستی ومرکزی کے ردعمل پر ہے، مرکزی انٹلی جنس بیورو کی طرف سے کی گئی اس کارروائی کو سبھی نے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا اور عمومی طور پر یہ تاثر سامنے آیا کہ شب خون مارنے کا کوئی جواز نہ تھا، اس کے نتیجہ میں ندوۃ العلماء میں تحفظ مدارس کمیٹی کا ایک مشاورتی جلسہ بلایا گیا، اس اجلاس کی تفصیلات ۱۰/جنوری کے شمارہ میں ہے، عالم اسلام ایک مسئلہ سے نمٹ کر تھوڑی سانس لیتا ہے تو اعداء اسلام دوسرے محاذ پر اس کے لیے مشکلات کھڑی کردیتے ہیں، یہ حدیث مشاہدہ کے طور پر روز اول سے آرہی ہے اور قیامت تک آتی رہے گی کہ: ”الجهاد ماضٍ إلىٰ يوم القيامة“ جہاد قیامت تک جاری رہے گا، چنانچہ ۲۵/فروری، ۱۰/مارچ کے مشترکہ شمارہ میں ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی (کراچی) لکھتے ہیں: ایک ہفتہ سے قوقاز کے چھوٹے سے مسلمان ملک چیچنیا پر روسیوں کی بمباری جاری ہے، ڈاکٹر صاحب نے اسی لیے اس صورت حال کا پورا جائزہ لیتے ہوئے چیچن قوم کو خصوصیات کے ساتھ تاریخ کے آئینہ میں پیش کیا ہے، اور بتایا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں قوقاز کا جنوبی علاقہ مسلمانوں کے زیر سایہ آچکا تھا،

بعد کے شمارہ میں ڈاکٹر حبیب الحق ندوی کا افریقہ میں اسلام، مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری کا مضمون ”فہم حدیث اور ادب حدیث“ اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا مضمون ”یورپ خودکشی کی راہ پر“، مولانا محمد اکرم ندوی کا مضمون ”مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی آکسفورڈ کی مجلسوں کی گفتگو“، پروفیسر وصی احمد صدیقی کے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تاریخ دعوت وعزیمت کے حصوں پر تبصرے، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی وفات کے سانحہ پر ذمہ داران ندوہ و اساتذہ کے تاثرات و مضامین، حکومت کی طرف سے ائمہ مساجد کو مشاہرہ دیے جانے کے فیصلہ کی مسلم پرسنل لا بورڈ کی مخالفت اور اس سلسلہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا دردمندانہ مضمون، اور ندوہ کی مجلس انتظامی کے موقع پر عصر جدید کا چیلنج، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اداریہ بیجنگ کی خواتین کانفرنس عورت کی صحت کے نام پر دھوکہ، اسی شمارہ میں تبلیغی جماعت کی مخالفت کرنے والوں کے سامنے اس کی ضرورت و حمایت پر ایک اعلان وشہادت بالحق کے عنوان سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا مضمون، ان کا وہ فکرانگیز خطبہ صدارت جو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس احمد آباد گجرات میں ۸/اکتوبر کو پیش کیا، اور ۲۵/اکتوبر کے شمارہ میں ندوۃ العلماء میں منعقد تبلیغی اجتماع پر مولانا شمس الحق ندوی کا ایمان افروز مضمون اس جلد کی خصوصیات ہیں۔

جلد (۳۳): ۱۰/نومبر ۱۹۹۵ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۶ء

ندوۃ العلماء میں پچاس سال سے خدمات انجام دینے والے استاد اور پھر ناظر کتب خانہ علامہ شبلی نعمانی ندوۃ العلماء مولانا محمد مرتضیٰ نقوی نے داغ مفارقت دیا، کیسے ان پر اداریہ نہ ہوتا، اسی سے نئی جلد کا آغاز ہے، دوسری طرف دوسری بزرگ شخصیت مولانا شاہ محمد اشرف سلیمانی کی رحلت کی اطلاع، وہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کے خوشہ چیں اور بڑا ہی تعلق ندوہ سے رکھنے والے تھے، کچھ آگے بڑھ کر اسی شمارہ میں مولانا محمد اسحاق سندیلوی سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے انتقال کی خبر بھی شائع ہوئی جنہوں نے کراچی میں انتقال کیا، جب تعمیر حیات نکلنا شروع ہوا تو وہ اس کی مشاورتی کمیٹی میں تھے، بعد کے شماروں میں پر ان مضامین بھی ہیں، ۲۵/نومبر کے شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا وہ خطاب خصوصیت کا حامل ہے جو ندوہ میں تبلیغی اجتماع میں کیا کہ امت مسلمہ کا وجود غزوۂ بدر کا نتیجہ ہے، ۲۵/دسمبر کے شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ایک تقریر کو اداریہ بنایا گیا ہے، وہ بڑی معرکہ کی ہے، جس کا عنوان ہے ”اسلام ہر دور میں قیادت و رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے“، فروری کے دونوں شماروں کو مشترکہ شائع کیا گیا، اس میں خانوادۂ حسنی کو درپیش صدمات کا تذکرہ ہے، ایک حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی اہلیہ محترمہ اور اس کے کچھ دن کے بعد ان کی والدہ ماجدہ کی وفات، اگلے شمارہ میں مولانا نے اپنی والدہ پر تفصیلی مضمون بھی دیا ہے، ۲۵/مارچ کا اداریہ مدیر تعمیر حیات مولانا شمس الحق ندوی کے قلم سے ایک پیغام دیتا ہے کہ اسلام تازہ دم ہے کاش مسلمان بھی تازہ دم ہوتے! ادھر ندوۃ العلماء کے ایک قدیم کارکن و معاون ناظر تعمیر وترقی مولانا سید محمد عبدالسمیع ندوی نے بھی وفات پائی تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ان کی شخصیت پر ایک جامع مضمون بھی ۱۰/اپریل کے شمارہ میں ہے، ۱۰/جون کے شمارہ میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا مسلم خواتین کا تاریخی کردار کے عنوان سے ہے، ۱۵/جولائی کے شمارہ میں ترکی کے نئے وزیر اعظم کا تعارف مولانا سید محمد اجتباء ندوی نے کرایا ہے، یہ شخصیت نجم الدین اربکان کی ہے، جو اب مرحوم ہو چکے ہیں، اور ہندوستان کے نئے وزیر اعظم مسٹر دیو گوڑا نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمت میں نیاز مندانہ حاضری دی، اس کا حال مولانا محمد شاہد علی ندوی بارہ بنکوی نے لکھا ہے، اس طرح یہ جلد بھی نوع بنوع مضامین اور خبروں کے ساتھ سامنے ہے، ایک اہم خبر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں رواق عبدالحی کے افتتاح کی بھی ہے، اور آخری شمارہ میں اسی سے متعلق مضامین بھی ہیں۔

جلد (۳۴): ۱۰/نومبر ۱۹۹۶ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۷ء

ابتدائی شماروں میں علامہ یوسف القرضاوی کی ندوۃ العلماء تشریف آوری پر مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری کے قلم سے چند قسطوں میں مضمون شائع ہوا، اس کا عنوان ہے: ”دارالعلوم میں ایک علمی جشن“، واقعہ ہے ان کا آنا علمی جشن کا ہی باعث ہوا، ایک پورا ہفتہ ان کا قیام رہا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان کی تکریم میں ان کے محاضرات میں بنفس نفیس شرکت فرماتے، اجودھیا کا المیہ پر مادھو گوڈ بولے کے مضمون کا ترجمہ شارق علوی صاحب نے کیا، اس کی بھی متعدد قسطیں ابتدائی شماروں اور گزشتہ فائل کی اختتامی شماروں کا امتیاز ہے۔

۱۰/مئی کے شمارہ کا اداریہ منیٰ کے حادثہ پر ہے، بقول مولانا عبداللہ عباس ندوی بہت دردناک حادثہ تھا، مگر سعودی حکومت نے اس حادثہ کے گزرنے کے بعد تحفظ کے انتظامات میں بڑی چوکسی دکھائی، ندوۃ العلماء کی مسجد میں مولانا محمد منظور نعمانی کے سانحہ وفات پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے جو خطاب دیا وہ کئی مضامین پر بھاری تھا، یہ بھی ۱۰/مئی کے شمارہ میں ہے، ۲۵/ کے شمارہ میں منیٰ کے حادثہ پر جائزاتی مضامین ہیں، جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا عبدالکریم پاریکھ کے قلم سے ہیں، ۲۵/مئی کے شمارہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپ، امریکہ اور اسرائیل کی ریشہ دوانیوں پر ایک فکر انگیز مضمون اظہار حقیقت، انکشاف اور تنبیہ کے طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ہے، جو اصلاً المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی کے طلبہ کے سامنے کی گئی تقریر ہے، پھر ان کا ایک اہم مضمون اہل

فکر و قائدین کا مقام اور ذمہ داریاں کے عنوان سے ہے، ادھر عالم اسلام کی دو عظیم شخصیتیں جدا ہوئیں، مولانا محمد عمر پالن پوری اور شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی، ۱۰/جون کے شمارہ میں ان کی شخصیت سے متعلق مضامین ہیں جن کا اثر بعد کے شماروں پر بھی ہے، ۲۵/جون کا اداریہ عالم اسلام ذہنی غلامی کا شکار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے ہے، تبصرۂ کتب میں ایک نئی کتاب "سیرت سلطان ٹیپو شہید" کے منظر عام پر آنے پر بھٹکل کے اجلاس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تقریر اور ایک شمارہ میں مولانا شمس الحق ندوی کا مفصل تبصرہ ہے، ۱۰/اگست کے شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا طلبائے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے سامنے کیا گیا ایک خطاب ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء ترجمان ہے حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی فکر کا، اور ایک مضمون ڈاکٹر یونس نگرامی کا ۲۵/ستمبر کے شمارہ میں صہیونیت کے سو سال پورے ہونے پر بطور جائزہ ہے کہ یہ پیدا ہوئی اور ۲۸/اگست ۱۹۹۷ء کو اس نے سو سال کو پورے کر لیے۔

جلد (۳۵): ۱۰/نومبر ۱۹۹۷ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۸ء

ہندوستان میں اور بیرون ملک میں بھی اسلام دشمن طاقتوں نے قادیانیت، شیعیت، بریلویت اور دوسرے فرقوں کو جو کام سپرد کیا، اس سے سیدھی ضرب عقیدہ ختم نبوت پر پڑ رہی تھی، اس کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ایک عالمی اجلاس ندوۃ العلماء میں بلایا جس میں امام حرم شیخ محمد بن عبداللہ السبیل نے اپنے رفقاء و داعیان عرب کے ساتھ شرکت کی اور پورے ملک سے مرکزی شخصیات شریک ہوئیں، ۲۵/نومبر، ۱۰/دسمبر کے شمارے اسی سے متعلق خصوصی اشاعت کے حامل ہیں۔

ادھر ہندوستان میں اس کی سیکولرزم کو ختم کرنے کے لیے جو ہتھکنڈے استعمال کیے جا رہے ہیں، ان میں ایک بڑا ہتھکنڈہ اسکولوں میں بعض ایسے اعمال کو ضروری قرار دینا ہے، جس کی ضرب سیدھی عقیدۂ توحید پر پڑی، جیسے وندے ماترم کے گانے، اسی لیے علماء نے مخالفت کی، ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کا بڑا اہم مضمون وندے ماترم اور مسلمانوں کا شرعی نقطہ نظر ۲۴/فروری کے شمارہ کا امتیازی مضمون ہے، ۱۰/مارچ کا اداریہ دو اہم شخصیات ڈاکٹر حبیب الحق ندوی (جنوبی افریقہ) مولانا سید عبدالغفار ندوی نگرامی کے حادثہ وفات پر ہے، ۲۵/مارچ کے شمارہ میں دو اہم سفرنامے ہیں، ایک جنوبی ہند کا حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اور دوسرا مصر کا جو مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری کا ہے۔

۱۰/جولائی کے شمارہ میں مولانا آفتاب عالم ندوی نے دنیائے اسلام کے عظیم محقق ڈاکٹر حمید اللہ کے سانحہ وفات کی اطلاع پورا مضمون لکھ کر دی تھی، جو غلط ثابت ہوئی اور ۲۵/اگست کے شمارہ میں اس کی تردید ادارہ کو ایک مضمون لکھ کر کرنی پڑی، ۲۵/ستمبر کے شمارہ میں مولانا محمد خالد ندوی کے سفرنامہ مصر کی ۲ اویں قسط شائع ہوئی ہے، اور آخری شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی اردن میں عالم اسلام کی ممتاز شخصیات اور سربرآوردہ لوگوں کے سامنے کی گئی تقریر کا ترجمہ ہے، جو مولانا آفتاب عالم ندوی نے کیا ہے۔

جلد (۳۶): ۱۰/نومبر ۱۹۹۸ء تا ۲۵/اکتوبر ۱۹۹۹ء

تعمیر حیات کے نئے سال کا آغاز ہوا، ادھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے وندے ماترم کو لازم کیے جانے کے خلاف آواز اٹھانے کے نتیجہ میں ان کی رائے بریلی کی قیام گاہ پر چھاپہ ڈالا گیا، ۱۰/دسمبر کے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اس کے مضمرات و نتائج پر روشنی ڈالی ہے، اور لکھا ہے کہ حکومت کو اپنے سابقہ اعلان کے برخلاف صاف الفاظ میں یہ اعلان کرنا پڑا کہ وندے ماترم اور سرسوتی پوجا سب پر عائد نہیں کی گئی ہے۔

رمضان آیا، عید آئی، تعمیر حیات نے اس کی قدر کی اور عید منائی، ۱۰/اور ۲۵/جنوری کے مشترکہ شمارہ میں اسی کی جھلک نمایاں ہے، ۱۰/فروری کے شمارہ میں مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری کے قلم سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کو دبئی میں ایک غیر معمولی تقریب میں دنیا کی سب سے بڑی اسلامی شخصیت کا ایوارڈ دیے جانے کی تفصیلات ہیں، یہ تقریب رمضان المبارک میں منعقد ہوئی، ۱۰/مارچ کا شمارہ عیدالاضحیٰ کی مناسبت سے قربانی پر مضامین و اداریہ پر مشتمل ہے۔

فروری کے آخر میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے جنوبی افریقہ ہند کا سفر کیا تھا، بنگلور میں ادب اسلامی کا سیمینار اور بھٹکل میں اہم پروگرام تھا، مارچ کے پہلے ہفتہ میں لکھنؤ واپسی ہوئی، کمزوری بہت بڑھ چکی تھی، فالج کا حملہ ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال رہا اور افاقہ ہوا، بیچ بیچ میں طبیعت میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، پورے ندوہ کا احاطہ، شہر، ملک اور یہی نہیں بلکہ دنیا میں اس کی گونج، حج کا زمانہ تھا، عرفات میں خوب جم کر دعائیں حجاج نے کیں، اور جس نے سنا اس نے اپنے طور جو بنا، کیا، ۲۵/مارچ کے شمارہ میں "لمحات دعا" کے عنوان سے مولانا عبداللہ عباس ندوی نے بڑا ہی دلسوز اداریہ لکھا، اور لکھا کہ ایک صاحب عزیمت کی زندگی کا ہر دور امت کے لیے نمونہ ہوتا ہے، اس مرض و عجز اور نقاہت میں بھی نماز باجماعت اور اسباغ وضو کا جو اہتمام ہے، وہ صرف خاصان خدا ہی کا حصہ ہے، اور آخر میں لکھا کہ: مولانا کی زندگی ملت اسلامیہ کے ترکش کا آخری تیر ہے، عالم اسلام کی آبرو ہے، رحمت خداوندی کا خوشنما مظہر ہے، اللہ تعالیٰ اس سایہ رحمت کو تا دیر قائم رکھے۔ لاملجأ ولا منجأ من اللہ الا الیہ.

اگلے شمارہ ۱۰/اپریل میں "ھو الشافی" کے عنوان سے اداریہ لکھا، جس میں جذبہ تشکر و امتنان نمایاں ہے اور یہ دونوں اداریے اردو ادب کا شاہکار ہیں۔

۱۰/مئی کے شمارہ میں حضرت مولانا کی علالت اور صحتیابی پر جو اہل تعلق کی ہمدردیاں اور اظہار محبت و عقیدت سامنے آیا، ان کو ایک مضمون میں سمیٹنے کی

کوشش کی گئی، اور مئی کے شمارہ میں مفتی مسعود عزیزی ندوی کا نکاح پڑھاتے وقت جو تقریر فرمائی وہ بھی درج ہے، اور بزرگ عالم مولانا عبدالحلیم جونپوری کے سانحۂ وفات پر اور شیخ بن باز کے انتقال پر مضمون مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے ہے، اگر حضرت مولانا پوری صحت کی حالت میں ہوتے تو ان دونوں پر ضرور مضمون سپرد قلم کرتے، اسی شمارہ میں سعودی سفیر کی ندوہ عیادت کے لیے آمد کی تفصیلات بھی ہیں، ۲۵/جون کا اداریہ تبلیغی اجتماع پر ہے، اور ہزاروں کے مجمع میں کی گئی حضرت مولانا کی تقریر بھی اس کا امتیاز ہے جو "مسلمان کی شان امتیازی" کے نام سے ہے۔

صدی اپنے اختتام کی طرف رواں دواں ہے اور عالم اسلام کی عبقری شخصیات ایک ایک کر کے جدا ہو رہی ہیں، کبھی فقیہ العصر مصطفیٰ الزرقاء کا ماتم، کبھی شیخ علی طنطاوی کا غم، کبھی ناصر الدین البانی کا رنج اور بانی جامعہ ہمدرد حکیم عبدالحمید دہلوی کی وفات کا صدمہ اور ۱۰/ستمبر کا اداریہ ندوہ کے لیے ذاتی طور پر بڑا عظیم صدمہ لے کر آیا، ندوۃ العلماء کے نائب ناظم مولانا قاجی معین اللہ ندوی نہ رہے، چند ہی دن گذرے تھے کہ مولانا عبدالرشید نعمانی کی وفات کی بھی خبر ملی، ۲۵/ستمبر کے شمارہ میں ان پر محققانہ مضمون مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کے قلم سے ہے، ۱۰/اکتوبر کے شمارہ میں ندوہ کے بڑے فعال کارکن و استاذ اور عزیز فرزند مولانا محمد رضوان ندوی پر نوحہ خواں ہونا پڑا، ان پر اداریہ ان کے استاذ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے ہے، اسی شمارہ میں "نزهة الخواطر" کے طبع جدید "الاعلام بمن فی تاریخ الهند من الأعلام" پر مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے بڑا جامع تبصرہ بھی ہے۔

جلد (۳۷): ۱۰/نومبر ۱۹۹۹ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۰ء

مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اپنی آئیڈیل شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی پر کتاب لکھی، "میر کارواں" نام رکھا، ۱۰/دسمبر کے شمارہ میں اس پر تبصرہ پروفیسر وصی احمد صدیقی کے قلم سے ہے، عصری تحریکات پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مضمون، اور زمانہ کا حقیقی خلا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا مضمون عربی سے ترجمہ ہے جس کا اردو ترجمہ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے کیا ہے، جو رسالہ کی شکل میں بھی شائع ہوا، اور حضرت مولانا کی حیات کا یہ آخری رسالہ ہے، ۲۵/دسمبر ۱۹۹۹ء اور ۱۰/جنوری ۲۰۰۰ء کا شمارہ مشترک رکھا گیا، لیکن ایک سال نے جس کو صدی کا آخری سال بھی کہا گیا، صدی کی سب سے بڑی شخصیت کو الوداع کہا، اور نئے سال نے جسے نئی صدی کا پہلا سال بھی کہا گیا، اس شخصیت کے افکار و آثار کا استقبال کیا کہ جانے والا اپنے پیچھے ان کو چھوڑ جاتا ہے، ۳۱/دسمبر کو انتقال ہوا، دیر رات کو تدفین ہوئی، مشترکہ شمارہ نے سرورق پر نمایاں کر کے اطلاع دی "عالم اسلام کی عہد آفریں شخصیت نہ رہی"، ندوۃ العلماء اپنے سرپرست سے محروم، امام حرم شیخ سبیل کا تعزیتی مکتوب، پروفیسر وصی احمد صدیقی کا اس عظیم حادثہ پر اداریہ، مولانا عبداللہ عباس ندوی کا معرکہ آراء تعزیتی مضمون "طاب حیاً و طاب میتاً"، مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری کا مضمون "مرد مومن کا آخری سفر" اور روزنامہ انقلاب ممبئی کا اداریہ "وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہباں" اور عالمی تاثرات اس شمارہ کا حصہ ہیں، اور مزید حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہونے اور ان کی جگہ مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کے مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء اور مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کے ناظر عام ندوۃ العلماء منتخب ہونے اور اس سلسلہ کی کارروائی کا تذکرہ اور بعض دوسرے مضامین جو پہلے سے تیار تھے، مشترکہ شمارہ میں ہیں، بعد کے شماروں میں حضرت مولانا کی شخصیت کے گوناگوں جہتوں اور پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کا سلسلہ جاری رہا، اور ان پر خصوصی نمبر کی تیاری ہوئی جو جولائی اور اگست ۲۰۰۰ء کے شماروں پر مشتمل رہا، جس کے صفحات ۳۵۲ تھے، تمام خصوصی اشاعتوں میں یہ شاہکار رہا، بعض اہم مضمون جو شامل اشاعت نہ ہو سکے بعد کے شماروں میں آئے۔

جلد (۳۸): ۱۰/نومبر ۲۰۰۰ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۱ء

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی وفات کے بعد ان کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کا جو سلسلہ جاری ہوا، وہ بڑھتا ہی رہا، انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز نے شاہ ولی اللہ ایوارڈ کسی بڑی اسلامی و علمی شخصیت کو دینے کا فیصلہ کیا، اس کا آغاز حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے پس از مرگ کیا اور دہلی میں ایک پروقار تقریب میں ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے وصول کیا، ۱۰/نومبر ۲۰۰۰ء کے شمارہ میں اس کی روداد راقم کے قلم سے ہے، مولانا عبداللہ عباس ندوی کے قلم سے سپاس نامہ عقیدت و احترام کے عنوان سے ایسیسکو (تنظیم برائے امور تربیت و تعلیم و ثقافت) کی طرف سے رباط (مراکش) میں ایک امتیازی "وسام" نشان پیش کیے جانے کا پروگرام جو ۲۵/شعبان ۱۴۲۱ھ میں منعقد ہوا، کے متعلق ہے جس کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی طرف سے مولانا عبداللہ عباس ندوی نے وصول کیا تھا، ۱۰/جنوری کے شمارہ میں اس کی تفصیلات ملاحظہ کی جا سکتی ہیں، اس تنظیم ایسیسکو کو براہ راست شاہ مراکش کی سرپرستی حاصل ہے۔

البتہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا سفر مراکش عالمی رابطہ ادب اسلامی کے ادب و تنقید پر انٹرنیشنل سیمینار میں شرکت کے لیے ہوا جو ۱۳/جنوری سے ۲۲/جنوری تک رہا، ڈاکٹر سید ضیاء الحسن ندوی آپ کے مرافق تھے، ۲۵/جنوری کے شمارہ میں اس کا تذکرہ ہے، ۱۰/فروری کے شمارہ میں مولانا اسحاق حسنی ندوی کی تحریک پیام انسانیت کی طرف سے ایک اپیل شائع ہوئی ہے کہ بانی تحریک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی بھی تقاریر، آڈیو، ویڈیو، اور

جلسوں کی رپورٹیں جن کے پاس موجود ہوں، وہ دفتر پیام انسانیت پہونچائیں تاکہ آئندہ کے لیے ایک لائحہ عمل تیار ہوجائے، ۱۰؍فروری ۲۰۰۱ء کی اس اپیل کی آج بھی اس طرح ضرورت باقی ہے، اوراسی شمارہ میں مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری کی اپنے موضوع پر معرکہ کی کتاب "مغربی میڈیااوراس کے اثرات" کا تذکرہ ہے، اوراب تواس کے متعددایڈیشن متعدد زبانوں میں شائع ہوچکے ہیں، ۲۵؍مارچ کے شمارہ میں تسلسل حوادث کے عنوان سے مولانا عبداللہ عباس ندوی کا اداریہ ندوی فاضل ڈاکٹر یونس نگرامی ندوی کے سانحہ وفات پر ہے، دہلی یونیورسٹی نے حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی کی علمی خدمات پر ۱۹، ۲۰؍کو ایک بڑا سیمینار منعقد کیا جس میں سعودی سفیر نے بھی شرکت کی، اس کی رپورٹ صحافی حسین امین صاحب کے قلم سے ہے، اور ۲۵؍اپریل کے شمارہ میں جامعہ سیداحمد شہید کٹولی ملیح آباد میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی طرف سے منعقد ایک سیمینار کو موضوع بنا کر اور عالمی مسائل میں سول کوڈ کے خطرہ کو لے کر مولانا عبداللہ عباس ندوی کا دلسوز اداریہ ہے: "اسلامی وجود کا ثبوت"، ۲۵؍جولائی کا اداریہ حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کا بڑا معنی خیز ہے کہ اسلام ساری دنیا کی ترقی کا خواہشمند ہے، ۱۰؍اگست کے شمارہ میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا فکرانگیز مضمون ہے: "صرف فلسفہ اورنظریات کسی قوم کو کامیابی سے ہم کنار نہیں کرتے"، دارعرفات رائے بریلی میں حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی کی فکرودعوت کو موضوع بنا کر ایک مسابقہ خطابت کا انعقاد کیا گیا، اس کی رپورٹ ۱۰؍ستمبر کے شمارہ میں ہے، ۲۵؍اکتوبر کے شمارہ میں امین الدین شجاع الدین نے مطالعہ و مشاہدہ کے طور پرایک سلسلہ مضمون کا خوب آغاز کیا ہے "جو چھپے دل میں وہی نکلے لیے"، اور محمد حسن انصاری صاحب کا مضمون "حضرت مولانا علی میاں کی کہانی مولسری کی زبانی" ہے، مولسری کے سایہ میں مسجد کے ایک باہری گوشہ میں بیٹھ کر حضرت مولانا نے اہم کتابیں تصنیف فرمائی تھی۔

جلد(۳۹): ۱۰؍نومبر ۲۰۰۱ء تا ۲۵؍اکتوبر ۲۰۰۲ء

امریکہ نے اسامہ بن لادن کو موضوع بنا کر جس طرح افغانستان کو نشانہ بنایا، ۱۰، ۲۵؍دسمبر ۲۰۰۱ء کے شمارے انہی حقائق کو سامنے لاتے ہیں، حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کے قلم سے اس موضوع پر فکرانگیز مضمون ہے، اس مشترکہ شمارہ میں مفتی عبد الرحیم لاجپوری اور مولانا عاشق الٰہی بلندشہری پر معلومات افزا مضامین بھی ہیں جنہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا، ۱۰؍جنوری کے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی نے اپنے ہم زلف اور ندوۃ العلماء کے مددگار ناظم مولانا محمد طاہر منصورپوری کے انتقال پر اداریہ لکھا ہے، لکھنؤ سے بھی حج کی ڈائریکٹ فلائٹ شروع ہوئی، حج کے سفر کی کارروائی کے لیے اترپردیش کی حکومت نے ندوہ کا سہارا لیا، اوردارالعلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں ایک طرف یہ خدمت شروع ہوئی، مولانا شمس الحق ندوی نے حاجیوں کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے ندوہ کے اس نصیب پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکرادا کیا ہے، اوراپنے اداریہ کے آخر میں لکھا ہے کہ دارالعلوم کی روح پرور فضاؤں میں یہ جشن باراں ۱۵؍جنوری سے شروع ہوکر ۱۵؍فروری تک اپنی بہاریں دکھا کر جب رخصت ہوا تو کئی دنوں تک فضا بڑی اداس اداس سی معلوم ہوئی، اس شمارہ میں حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کا مضمون ہے: "حدیث شریف کا ادبی امتیاز"، مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری کا مضمون استاذ انورالجندی کی شخصیت پر ان کی وفات کی مناسبت سے ہے، اور مولانا ڈاکٹر لقمان اعظمی ندوی کی شخصیت پر ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے لکھا ہے، اگلے شماروں میں گجرات فسادات پر مضامین اور اداریے ہیں، دواداریے حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کے قلم سے ہیں، امام حرم شیخ عمرالسبیل، قاضی مجاہدالاسلام قاسمی اور مولانا شفیق الرحمٰن ندوی پر بھی مضامین ہیں، مولانا مجاہدالاسلام قاسمی کی وفات سے مسلم پرسنل لابورڈ میں جوخلا ہوا، اور صدارت کے انتخاب کے لیے حیدرآباد میں اجلاس بلایا گیا، اس اجلاس کی تفصیلات مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری کے قلم سے ۱۰؍جولائی کے شمارہ میں ہیں، بطور صدر حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کا انتخاب ہوا، اس طرح مولانا پر مزید ملی ذمہ داریوں کا بوجھ آپڑا، مولانا اس سے قبل رابطہ عالم اسلامی کے بھی رکن تاسیسی منتخب ہوچکے ہیں، اور جو ذمہ داریاں حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی پر تھیں وہ ان پر آتی جارہی ہیں، بورڈ کے صدر منتخب ہونے کے بعد ملک بھر میں حضرت مولانا کے لیے جو خیرمقدمی جلسے ہوئے، ان میں ایک جلسہ ان کے وطن رائے بریلی میں بھی ہوا، اس کی رپورٹ ۲۵؍اگست کے شمارہ میں ہے، ۱۰؍اکتوبر کے شمارہ میں مجلس ادارت میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں، مولانا شمس الحق ندوی کو مدیرعام کا درجہ دیا گیا، دوسرے نمبر پر مولانا امین الدین شجاع الدین کو رکھ کر رئیس التحریر بنایا گیا، حافظ ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی کو معاون مدیرعام اور محمود حسن حسنی ندوی کو معاون رئیس التحریر کی جگہ رکھا گیا، سرپرست حسب سابق حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی اور نگران خصوصی مولانا عبداللہ عباس ندوی اور پروفیسر وصی احمد صدیقی، مجلس مشاورت چاررکنی سے سہ رکنی کردی گئی، مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری، مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا محمد خالدندوی غازی پوری، کیونکہ ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی کو مشاورتی بورڈ سے ادارتی بورڈ میں منتقل کردیا گیا، یہ تازہ شمارہ امین الدین شجاع صاحب نے مرتب کیا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے عنوان سے اپنی گذارشات پیش کیں، اداریہ حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کے قلم سے ہے، کچھ نئے کالم شروع کیے، روبرو کے عنوان سے انٹرویو کا سلسلہ بھی شروع کیا۔

جلد(۴۰): ۱۰؍نومبر ۲۰۰۲ء تا ۲۵؍اکتوبر ۲۰۰۳ء

تعمیر حیات نے عمر کی چالیسویں منزل میں قدم رکھا، رمضان المبارک نے اس کا استقبال کیا، اوراس نے ماہ مبارک کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، اور اس کی عظمت وفضیلت بیان کی، رمضان المبارک سے متعلق بڑے قیمتی اور وقیع مضامین قارئین پائیں گے، البتہ مولا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا مضمون یورپ کی تباہ کاریوں پر ہے، اور یورپ کو انہوں نے مرد بیمار سے تعبیر کیا ہے، اس سے وہ اس کے زوال کی طرف اشارہ کرتے ہیں، ۲۵؍نومبر، ۱۰؍دسمبر کے شمارے میں ڈاکٹر اقتدار حسین فاروقی نے بین الاقوامی اداروں کے سروے کی روشنی میں عالم اسلام کی تعلیمی ومعاشی صورت حال کا جائزہ پیش کیا ہے، اسی شمارہ میں حضرت مولانا ابرارالحق حقی کی ندوہ تشریف آوری ہوئی، ان کی مجلس کو مولانا عبدالسلام بھٹکلی ندوی استاددارالعلوم نے پیش کیا، مولانا شفیق الرحمٰن ندوی استاددارالعلوم، مولانا شہباز احمد اصلاحی استاد دارلعلوم نے ندوہ کو ابدی داغ مفارقت دیا، پھر مولانا سیدابوبکر حسنی رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء بھی الوداع کہہ گئے، ابتدائی شماروں میں ان شخصیات پر مضامین بڑے پرسوز ہیں، مولانا برہان الدین سنبھلی سے مولانا ابوبکر حسنی کے گہرے تعلقات تھے، ان کا اچھوتا انداز ہے اور لکھا ہے: "ہمارے حسنی صاحب، کچھ یادیں کچھ باتیں"، مشرق وسطیٰ کے حالات پر مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری کے اور فلسطین کے تناظر میں مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے مضامین بڑے چشم کشا ہیں، عالمی شہرت یافتہ محقق ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) اور پروفیسر سید ضیاء الحسن علی ندوی (دہلی) نے بھی وفات پائی، انہیں بھی ان کے چاہنے والوں نے خراج عقیدت پیش کیا ہے، ۱۰؍فروری کے شمارہ میں ٹائٹل پر حضرت شاہ نفیس الحسینی کی رباعی بڑی غضب کی ہے

دریا جو بہہ رہا ہے، سبحان تیری قدرت
ہر قطرہ کہہ رہا ہے، سبحان تیری قدرت
جو بار اٹھا سکے نہ ارض و جبال و افلاک
انسان سہہ رہا ہے، سبحان تیری قدرت

اس شمارہ نے تکبیر مسلسل کا تعارف کرایا ہے، یہ ڈاکٹر مسعودالحسن عثمانی کی پیش کش ہے اور حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی کے خطبات پر ہے، جو انہوں نے تحریک دینی تعلیمی کونسل کے اسٹیج سے دیے، مولانا ابوالخیر کی دعائے مضطر بھی شعروادب میں ایک شان رکھتی ہے، کچھ خبریں بھی ہیں جیسے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں شعبہ صحافت کا قیام اور مولانا تقی الدین ندوی مظاہری کا درس بخاری ومسلم وغیرہ اور خطاب عام، اگلے شمارہ میں ترکی کی صورت حال پر مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری نے حقائق ومضمرات سے پردہ اٹھایا ہے، ۱۰؍مارچ کا شمارہ مسلم پرسنل لابورڈ کے اجلاس کا خطبہ صدارت پیش کرتا ہے، یہ صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کے عہد صدارت کا پہلا خطبہ صدارت ہے، خطبہ افتتاحیہ اس سے پہلے بنگلور اجلاس میں پیش کرچکے ہیں۔

جون، جولائی کے شمارے بابری مسجد کے مسائل پر ہیں، مدراس کے شنکراچاریہ اس کے حل کے لیے کوشاں تھے، اوراس کے پیچھے حکومت کی دلچسپی ظاہر تھی، وہ ندوہ صدر بورڈ حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کی خدمت میں آئے، لیکن حضرت مولانا نے پوری صاف گوئی سے اپنی بات رکھی اور بعد میں جوغلط فہمیاں پھیلائی گئیں ان کے ازالہ کے لیے ندوہ میں بورڈ کی مجلس عاملہ کی ہنگامی میٹنگ بلائی گئی، اور پورے ذرائع ابلاغ کودعوت دی گئی، اوران لوگوں کی رسوائی ہوئی جو بورڈ کے ذمہ داروں کو جھانسہ دینا چاہتے تھے، اس کی تفصیلات وثائق کی روشنی میں ہیں، تعمیر حیات کے ان شماروں میں ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی پر مضامین ومقالات کا بھی ایک حصہ ہے، ان کا ندوہ کی شخصیات اور ندوہ کے کاموں، اداروں سے اور بڑی ملی تنظیموں سے گہرا اور ذمہ دارنہ تعلق تھا، اکتوبر کے شماروں میں اصلاحی، دعوتی مضامین رمضان کا خیرمقدم کرتی ہیں اور خبریں ہیں۔

جلد(۴۱): ۱۰؍نومبر ۲۰۰۳ء تا ۲۵؍اکتوبر ۲۰۰۴ء

دینی واصلاحی اور فکری مضامین ومقالات کے ساتھ تعمیر حیات رواں دواں ہے، ۱۰؍فروری کے شمارہ میں کچھ نئی خبروں کے ساتھ بعض خوش کن بعض غمناک، خوش کن یہ کہ مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی گجراتی (مقیم جدہ) کوان کی فقہی خدمات پر شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔

رنجیدہ خبروں میں یہ کہ عالم اسلام بعض بڑی اہم شخصیات سے محروم ہوا، جیسے اخوان المسلمین کے سربراہ مامون الہضیبی نہ رہے، اور ڈاکٹر معروف الدوالیبی سابق وزیراعظم شام بھی چل بسے، مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری کے ان پر مضامین ہیں، مامون الہضیبی ابھی ۱۴، ۱۵ ماہ قبل مصطفیٰ مشہور کی جگہ ان کی وفات پر مرشدعام منتخب ہوئے تھے، ۲۵؍اپریل کے شمارہ میں مولانا نذرالحفیظ ندوی نے ہی ایک عظیم مجاہد وقائد فلسطینی شخصیت وبانی تحریک حماس شیخ احمد یاسین کی وفات کی خبر دیتے ہوئے ان کی شخصیت کا تعارف کرایا ہے، ۲۵؍جون کا شمارہ دینی تعلیمی کونسل کے کام اور مقام پر مشتمل ہے "ما تعبدون من بعدی" کی روشنی میں، اور دوسرے بھی بعض مضامین ہیں، رانچی میں رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کی رپورٹ بھی ہے، بنگلور میں ٹیپو سلطان شہید پر رابطہ ادب اسلامی کا سیمینار منعقد ہوا، حیدرآباد میں اسلامک فقہ اکیڈمی کا چودھواں سیمینار منعقد ہوا، اس کی تفصیلات ہیں، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا مضمون بڑا چشم کشا ہے، حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی کی فکر پر ایک سلسلہ مضامین بھی شروع ہوا ہے، ادھر متعدد شماروں میں حضرت مولانا سید محمدرابع حسنی ندوی کے قلم سے اس موضوع پر مضامین ہیں، حق یہ ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے اور کون اس موضوع پر پیش قدمی کرسکتا ہے۔

جلد(۴۲): ۱۰؍نومبر ۲۰۰۴ء تا ۲۵؍اکتوبر ۲۰۰۵ء

جلد کے آغاز میں ایک اہم مضمون پروفیسر محسن عثمانی ندوی کا نوبل انعام یافتہ نجیب محفوظ پر ہے، "فن کار یا تخریب کار"، پروفیسر عثمانی نے اس سے نوبل پرائز دینے والوں پر چوٹ کی ہے کہ ان کا پیمانہ انصاف پر مبنی نہیں بلکہ بغض پر مبنی ہے، اور یہ بغض ہے اسلام سے، چونکہ شمارہ رمضان کے بعد آیا ہے، رمضان کی جو بہار حرمین شریفین میں ہوتی ہے، وہ کہاں کہیں ہوسکتی ہے، حرم مکی میں عیادۃ الحرم میں بیٹھ کر علاج ومعالجہ کرتے ہوئے اس منظر کا نظارہ کرتے ہوئے اس کی تصویر کشی کا کام اپنے قلم سے کیا خوب کیا ہے ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین نے، یہ رئیس التحریر مولانا امین الدین شجاع الدین کے حقیقی بھائی ہیں، تبصرۂ کتب میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی نئی کتاب "حالات حاضرہ اور مسلمان" پر پروفیسر وصی احمد صدیقی کا تفصیلی تبصرہ موجودہ حالات میں ملت کی رہنمائی کرتا ہے، اس کے لیے ۲۵/ دسمبر کا شمارہ ملاحظہ ہو۔

۱۰/ جنوری ۲۰۰۵ء کے شمارہ میں ۲۷/ دسمبر ۲۰۰۴ء کو وفات پانے والی ایک مثالی خاتون اہلیہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے رحلت کی، مولانا امین الدین شجاع الدین کا ان پر تفصیلی مضمون ہے، معلومات مرحومہ کے اہل خاندان سے اخذ کردہ ہیں اور خوب لکھا ہے۔ قدرتی آفات میں سنامی نے جو سمندری زلزلہ کے طور پر دفعۃً آئی اور بعض ساحلی علاقوں میں وہ تباہی مچائی جس کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے اداریہ میں لکھا ہے کہ سنامی کا واقعہ تمام ہوا، اور حق شناس لوگوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے، یہ ۲۵/ جنوری کے شمارہ میں ملاحظہ ہو، اسی شمارہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے جاری کردہ نکاح نامہ پر مضمون ہے، امین الدین شجاع الدین صاحب نے اس کو اصلاح معاشرہ کی ایک منضبط دستاویزی کوشش قرار دیا ہے، اسی شمارہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اکیڈمی بھٹکل کے جلسہ تقسیم انعامات میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی شرکت اور خطاب اور رائے بریلی کے رمضان کے نظام میں درس قرآن میں سورۂ والعصر کی تفسیر بھی ملاحظہ کی جاسکتی ہے، ۱۰/ فروری کے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی بھوپال میں علماء وعمائدین کے ساتھ نشست کی تفصیلات ہیں، ۱۰/ اپریل کے شمارہ میں پروفیسر طلحہ رضوی کی رباعیات بہت خوب ہیں۔

۲۵/ مئی کا شمارہ محی السنۃ حضرت مولانا ابرار الحق حقیؒ کی خبر وفات لے کر آیا، بڑے بابرکت، عظیم مصلح ومربی شخصیت تھے، ندوہ کی ذمہ دار شخصیات کا ان پر مضامین وتاثرات ہیں اور ۲۵/ جون کا شمارہ ان کی شخصیت وکمالات کے ساتھ خاص ہے، جسے گوشۂ محی السنۃ کا نام دیا گیا ہے، ان کا یہ ملفوظ سرورق پر دیا ہے کہ ایک گناہ کا عادی مجرم بھی کبھی ولی نہیں ہوسکتا، اپنی محسن شخصیات اور اہل تعلق پر مضامین کا سلسلہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے شروع فرمایا، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر مضمون ۱۰/ جولائی کے شمارہ میں پہلے حضرت مولانا نے آپ کی صحبت جلوت وخلوت میں اٹھائیں اور ان کی سرپرستی میں دارالعلوم دیوبند میں ایک سال گزارا، وفیات پر ایک اہم مضمون مولانا عبداللہ عباس ندوی کا قدیم ندوی فاضل اور بزرگ وصاحب سجادہ شاہ شرف عالم بھاگلپوری پر ۲۵/ اگست کے شمارہ میں ہے، نئی کتابوں میں مفتی سلمان منصور پوری کی مرتب کردہ ماہنامہ ندائے شاہی کا "نعت النبی نمبر" خوب آئی، انتخابات شاندار اور طباعت دیدہ زیب واعلیٰ، اس پر اسی شمارہ میں تبصرہ ہے، ۱۰/ ستمبر کے شمارہ کا اداریہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے قلم سے ہے: "اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کے مقابلہ میں ہماری دفاعی حکمت عمل کیا ہو؟" ۲۵/ ستمبر کا شمارہ دین کے لیے سخت تکلیف اور اذیتیں سہنے والی مصری خاتون زینب الغزالی کی تعزیت ملت سے کرتا ہے اور خانوادۂ علم اللّٰہی کی خاتون سیدہ امامہ حسنی معاون مدیر ماہنامہ "رضوان" کی ادارۂ رضوان اور خانوادۂ حسنی سے کرتا ہے، آخری صفحہ اور پہلا صفحہ رئیس التحریر نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، جس میں قارئین کے نام پیغام ہوتا ہے اور کسی اہم خبر پر تبصرہ، آخری شمارہ میں اداریہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے قلم سے ہے: "دین سیکھے بغیر نہیں آتا"۔

جلد (۴۳): ۱۰/ نومبر ۲۰۰۵ء تا ۲۵/ اکتوبر ۲۰۰۶ء

پروفیسر عبدالحلیم ندوی (جامعہ ملیہ، نئی دہلی) کی وفات پر اداریہ اور مضامین ومقالات کے علاوہ مولانا عبداللہ عباس ندوی کی نئی کتاب "مکررات قرآن" کا تعارف، ڈاکٹر سید محمد اجتباء ندوی کا مصر وشام کا سفرنامہ، تیسرے شمارہ میں مولانا عبداللہ عباس ندوی کا اپنے دیرینہ رفیق کے لیے مضمون اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا اپنی بھتیجی سیدہ امامہ حسنی پر مضمون، پاکستان کا زلزلہ جو بالاکوٹ میں پیش آیا، مشاہدات وحقائق کی روشنی میں لکھا گیا مضمون اس کے عبرتناک پہلو، چوتھا شمارہ حجاج کرام کی نذر رہے، اور کچھ زوردار خبریں جیسے مصری انتخابات میں اخوان المسلمین کی کامیابی، ۱۰/ جنوری کے شمارہ نے یہ اندوہناک خبر دی کہ تعمیر حیات اپنے نگراں اور ندوۃ العلماء اپنے معتمد تعلیم سے محروم، مولانا عبداللہ عباس ندوی کی شخصیت علمی وادبی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، تعمیر حیات میں ان کا ایک صفحہ کا اداریہ کیا ہوتا تھا لوگ وردزبان بنالیتے، حرم مکی میں امام حرم نے نماز جنازہ پڑھائی، اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے، لاکھوں لاکھ حجاج کرام نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، تعمیر حیات نے پہلے ان پر خصوصی شمارہ نکالا، اسی میں مولانا وصی مظہر ندوی کی کناڈا میں وفات کی بھی اطلاع ہے، جو صدر ضیاء الحق کے عہد میں کچھ عرصہ پاکستان میں مرکزی وزیر برائے امور مذہبی بھی رہے، تعمیر حیات نے اعلان کیا کہ مولانا عبداللہ عباس ندوی پر خصوصی اشاعت جلد منظر عام پر آئے گی، اسی

دوران اور بھی کچھ اہم شخصیتیں جدا ہوئیں، مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، اور مولانا سید اسحاق حسینی ندوی، مولانا اسحاق حسینی تو مولانا عبداللہ عباس ندوی کے جنازہ میں بھی شریک ہوکر حج کرکے آئے تھے کہ چند ہی دن لکھنؤ میں گذار کر مدح صحابہؓ کے جلسہ شہدائے اسلام میں تقریر کرکے ۱۱/ محرم الحرام کی شب کو گھر واپس ہوئے، اور وہیں داعی اجل کو لبیک کہا، مولانا عبداللہ عباس ندوی نمبر نکلا، مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری اس کے مرتب تھے، چونکہ امین الدین شجاع الدین صاحب اپنی طبیعت کا عذر پیش کرکے اپنی ذمہ داری سے دستبردار ہوگئے تھے، مولانا نذر الحفیظ ندوی نے اپنے عزیز شاگردوں سے تعاون لیا، مجھ سے بھی وقت دینے کو کہا، اسی کے ساتھ تعمیر حیات کو اپنے ایک پرانے قلمی معاون اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاذ تفسیر مولانا محمد عارف سنبھلی ندوی کے سانحہ وفات کا غم اٹھانا پڑا، پھر دوسرے ندوی فاضل اور مولانا عبداللہ عباس ندوی کے رفیق درس مولانا مجیب اللہ ندوی نے رحلت فرمائی، اور ابھی زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ کویت کے بڑے ہی مخیر تاجر اور ممتاز داعی شیخ عبداللہ علی المطوع کی حیات مستعار کے اختتام کو پہونچنے کی خبر آئی، تعمیر حیات کا ۱۰/ اکتوبر کا شمارہ مولانا نذر الحفیظ ندوی کے قلم سے ان کا تذکرہ پیش کرتا ہے۔

مولانا عبداللہ عباس ندوی کی جگہ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم کے طور پر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کو مجلس انتظامی نے چنا جو مولانا افتخار الحسن کاندھلوی کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی، انہوں نے اس کے بعد ندوی فضلاء کو ایک سوالنامہ بھی جاری کیا تاکہ ان کے تجربات وخیالات سے فائدہ اٹھا کر کچھ اور اقدامات کیے جائیں، یہ سوالنامہ معتمد تعلیم کی طرف سے جلد کے آخری صفحات میں ہے۔

جلد (۴۴): ۱۰/ نومبر ۲۰۰۶ء تا ۲۵/ اکتوبر ۲۰۰۷ء

اب پرچہ ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، نائب ناظم پروفیسر وصی احمد صدیقی کی زیر پرستی اور ناظر عام ندوۃ العلماء مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کی زیر نگرانی آگیا، مولانا شمس الحق ندوی مدیر عام، مولانا نذر الحفیظ ندوی مدیر مسئول، محمود حسن حسنی ندوی نائب مدیر، اور مجلس مشاورت میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا محمد خالد غازی پوری کے ساتھ مولانا امین الدین شجاع الدین کا نام دیا گیا، یہ نظام ۲۵/ جنوری ۲۰۰۶ء سے بنا، سالانہ زر تعاون ۲۰۰ روپے، فی شمارہ ۱۰/ روپے، پہلے شمارہ میں مولانا محمود الازہار ندوی پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مضمون ہے، مولانا محمود الازہار ندوی مرحوم کی تعمیر حیات کے لیے بڑی خدمات رہی ہیں، مولانا عیسیٰ منصوری کا قسط وار سفرنامہ "تین دن آرزوؤں اور حسرتوں کی سرزمین میں" ہے، حج کا زمانہ آیا، محمد فرمان ندوی نے مسافران حرم کو چند سفرناموں کی ایک جھلک پیش کی، ڈاکٹر عطیہ خلیل عرب کا چشم کشا مضمون ہے: "قرآن کریم کے ساتھ ہمارا رویہ"، ایران کا سفرنامہ پروفیسر محسن عثمانی ندوی کے قلم سے قسط وار ہے، اور ۲۵/ جنوری کے شمارہ کا اداریہ ہے: "ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا" مدراس کے اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ میں حضرت مولانا کو پھر متفقہ طور پر صدر چنا گیا، اور انہوں نے سارے عہدہ داران کو اسی طرح باقی رکھا، اس موقع پر نئے ممبران کا انتخاب بھی عمل میں آیا۔

۱۰/ فروری کے شمارہ میں جامعہ سید احمد شہید کٹولی میں انٹرنیشنل تعلیمی سیمینار کی روداد محمد اعظم جمشید پوری نے پیش کی ہے، اور مرکز الشیخ ابی الحسن علی الندوی جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ نے تعمیر حیات کے ذریعہ یہ اطلاع دی کہ وہ ۲۱، ۲۲ مارچ ۲۰۰۷ء کو "ہندوستان اور علم حدیث" کے موضوع پر انٹرنیشنل سیمینار منعقد کر رہا ہے، عنوانات تیرہویں اور چودہویں صدی ہجری کے تناظر میں خود دیے ہیں، ۱۰/ اپریل کے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا ایک اہم مضمون شائع ہوا: "دینی مدارس اور عصری درسگاہوں کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت"، "سیکولرزم اور جمہوریت" پر ایک فکر انگیز مضمون مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا ہے، ۲۵/ مئی کے شمارہ میں ایک امریکی تجزیہ نگار جیمز کرتھ کا مضمون اپنی نوعیت کا منفرد ہے، "شرق اوسط میں امریکی حکمت عملی امریکی نقطۂ نظر سے" کے عنوان سے ہے، جس کی آخری قسط ۱۰/ مئی کے شمارہ میں ہے، نبوی تعلیمات واخلاق پر چار قسطوں پر مشتمل مضمون کی آخری قسط ۲۵/ مئی کے شمارہ میں شائع ہوئی ہے، روز بروز فلسطین کے حالات خراب سے خراب تر ہوتے جارہے ہیں، گوشۂ فلسطین کے نام سے خصوصی شمارہ ۱۰/ جون ۲۰۰۷ء کا ہے، اگلا شمارہ ۲۵/ جون کا مولانا ناصر علی ندوی شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء سے متعلق مضامین وتاثرات پر مشتمل شائع ہوا، یہ ندوہ کے لیے ناقابل تلافی خسارہ ہے، ۲۵/ جولائی کا اداریہ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری کے قلم سے ہے جو امریکی صدر بش کا پوسٹ مارٹم کرتا ہے، یوم آزادی کے قریب شمارہ مولانا سید محمد ولی رحمانی کی زبان میں سوال کرتا ہے: کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد پہلی جنگ آزادی تھی؟"، اس موضوع پر ان کے قلم سے بڑا معلومات افزا مضمون ہے، اسی شمارہ میں قرآنیات پر ڈاکٹر عودہ ابوعودہ کا مضمون بھی سمعان خلیفہ ندوی کی ترجمانی سے بڑی اہمیت کا حامل ہے، اگلے شماروں میں اس کی اور قسطیں ہیں اور اس جلد کے شماروں کی ایک خاص بات مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی فرزند بانی مدیر تعمیر حیات مولانا سید محمد الحسنیؒ کا اسلامی واخلاقی وسماجی موضوعات پر سلسلہ وار مضمون ہے، گویا وہ اس کالم کے مستقل کالم نگار ہوگئے ہیں، اس کے علاوہ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری کے عالم اسلام پر مضامین اور دوسرے اہل فکر وقلم کے حالات حاضرہ پر تبصرے اور آخر میں مولانا حبیب الرحمٰن سلطانپوری اور مولانا عبدالکریم پاریکھ کی وفات کا غم ہے، ان

دونوں کا ندوہ پر بڑا حق تھا۔

جلد (۴۵): ۱۰/نومبر ۲۰۰۷ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۸ء

ملکی حالات وسیاست اور عالم اسلام کے مسائل سے متعلق مولانا نذر الحفیظ ندوی کے اداریے و مضامین رہنما مضامین ہیں، ترکی میں رجب طیب اردگان کی حکمت عملی کو مسلم تنظیموں کے لیے نمونہ قرار دیتے ہوئے اس کا پورا تحلیل وتجزیہ ۱۰/دسمبر ۲۰۰۷ء کے شمارہ میں کیا ہے، ۲۵/دسمبر کا اداریہ اسلامی زندگی اختیار کرنے پر مولانا شمس الحق ندوی کا ہے، اسی شمارہ میں ابوالامتیاز ع۔ س۔ مسلم کا مضمون "تہذیبوں کا تصادم اور روشن خیالی دجالی" بڑا فکر انگیز مضمون ہے، مولانا فیصل احمد بھٹکلی ندوی استاد دار العلوم کو سیرت کے موضوع پر عالمی تحریری کامقابلہ میں جو رابطہ عالم اسلامی نے کرایا تھا، پہلا انعام حاصل ہوا، ڈاکٹر خلیل الدین شجاع الدین نے ان کے مقالہ کا جائزہ لے کر مضمون سپرد قلم کیا ہے، جو جنوری کی اشاعت میں ہے، ۲۵/فروری ۲۰۰۸ء کا شمارہ مشہور بزرگ حضرت شاہ نفیس الحسینی اور مشہور محقق ومصنف مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی وفات پر مضامین پیش کرتا ہے، ۱۰/مارچ کا شمارہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا خطبہ صدارت برائے اجلاس مسلم پرسنل لا بورڈ، کلکتہ پیش کرتا ہے، ۲۵/مارچ کے شمارہ میں مولانا سید محمد ثانی حسنی کی نظم "رہنمایان ملت" سے ایک ایسا منظوم خطاب ہے، جو آج کے حالات میں بھی رہنما خطاب ہے، ۲۵/جون کے شمارہ میں مولانا ڈاکٹر سید اجتباء ندوی کی وفات پر تاثراتی مضامین ہیں، اور اسی شمارہ میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا مضمون بڑا بصیرت افروز ہے: "اخلاقی قدروں سے خالی علم کے تباہ کن نتائج"، مغرب نے جو ڈائیلاگ کا ایک قضیہ چھیڑا، اس کا قسط وار جائزہ سلمان نسیم ندوی نے پیش کیا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے ۲۵/اگست کے شمارہ میں اپنے مضمون میں اس کو مغرب کا نیا ایجنڈہ قرار دیا ہے، استشراق کا جائزہ اسی شمارہ میں محمد وثیق ندوی نے پیش کیا ہے، ۱۰، ۲۵/دسمبر کے شمارہ میں امریکی سیاست میں یہودیوں کا رول بھی ایک تحقیقی مضمون ہے، آخری شمارہ کا اداریہ مولانا نذر الحفیظ ندوی کے قلم سے "روشن مستقبل کی طرف" ہے، اور دوسرے مضامین "سرمایہ دارانہ نظام معیشت زوال کی راہ پر"، "دختر کشی جدید دور" میں دعوت فکر دیتے ہیں۔

جلد (۴۶): ۱۰/نومبر ۲۰۰۸ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۰۹ء

پہلے شمارہ میں مولانا نذر الحفیظ ندوی کا اداریہ "روشن مستقبل کی طرف" کی آخری قسط ہے، جس کی روح اور پیغام یہ ہے کہ اسلام کی روح اور اس کا پیغام یہی ہے کہ تم حالات کو بدلنے کے لیے دنیا میں بھیجے گئے ہو، حالات کے محور پر گردش کرنے کے لیے نہیں، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مضمون "سورۂ یوسف۔ غور وفکر کے چند پہلو" بھی موجودہ حالات میں امت مسلمہ کو دعوت فکر وعمل دیتا ہے، دوسرے شمارہ میں مولانا نعیم الرحمن صدیقی ندوی کا مضمون "دہشت گردی اور انسدادی تدبیریں"، مغرب کے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا راز فاش کرتا ہے، ۱۰/جنوری کا ادارہ مولانا نذر الحفیظ ندوی کے قلم سے ہے کہ "شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا"، اس کے علاوہ اور بھی فلسطین سے متعلق مضامین ہیں، امین الدین شجاع الدین صاحب کا مضمون قاری محمد اسلام پر ہے، ندوہ کے لیے ان کی بڑی خدمات رہیں، آخر میں نابینا ہو گئے تھے، اور اپنے وطن بہار چلے گئے تھے، ۲۵/فروری کے شمارہ میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا مضمون بڑے معرکہ کا ہے، جس کا عنوان ہے: "اسلام سے جنگ کا محرک مرعوبیت"، محمود حسن حسنی ندوی نے عصری مسائل کے حل کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمات کا ایک تجزیہ پیش کیا ہے، مستشرقین کی علمی تحقیقات کے مقاصد پر مولانا عمیر الصدیق ندوی دریابادی کا مضمون ۱۰/مارچ کے شمارہ میں معرکہ کا مضمون ہے، اسی شمارہ کے اداریہ میں مولانا نذر الحفیظ ندوی نے اس ملک میں محبت وخیر سگالی کا ماحول پیدا کرنے اور عالم گیر رسالت اور دین رحمت کے تقاضے کو سامنے رکھ کر کام کرنے کی ترغیب دی ہے۔

۲۵/مارچ کا شمارہ ایک بار پھر قدیم مدیر مسئول کی رہنمائی میں نکلا، اپنے بعض اعذار کی وجہ سے مولانا نذر الحفیظ ندوی نے اپنی ذمہ داری سے دستبرداری اختیار کی اور پوری ذمہ داری مولانا شمس الحق ندوی پر پھر آ گئی، اب وہی حسب سابق مدیر مسئول ہیں، ان کے نائب مدیر کے طور پر محمود حسن حسنی ندی کا نام ہے، مجلس مشاورت حسب سابق ہے، مولانا شمس الحق ندوی کا اداریہ "زمانہ کا شکوہ" کرنے اور مایوس ہو کر بیٹھ جانے کی کیفیت کو دور کرتا ہے، ۱۰/مئی کے شمارہ میں خاص مضمون مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کا ہے: "اسلامی بینک کاری وقت کی اہم ضرورت"، آخری شماروں میں سلمان نسیم ندوی کا قسط وار مضمون "کتب حدیث کا اردو ترجمہ۔ تاریخ ومحرکات" کے نام سے ہے، اسی طرح مولانا شمس الحق ندوی کا مضمون: "حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور تصوف" بھی چار قسطوں میں شائع ہوا ہے، عالم اسلام کا کالم جاوید اختر ندوی نے سنبھال رکھا ہے، اور رسید کتب کی ذمہ داری راقم کے ذمہ ہے، اسی طرح ناظم ندوۃ العلماء کے سفروں کی روداد بھی ان کے ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہونے کے بعد راقم ہی کے ذمہ ہے، کبھی کبھار دوسروں کے قلم سے بھی ہے۔

جلد (۴۷): ۱۰/نومبر ۲۰۰۹ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۰ء

جلد کے آغاز میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی اپنے مضمون میں "نئے چیلنجز کے سامنے نئی حکمت عملی کی ضرورت" پر زور دیتے ہیں اور وہی دوسرے شمارے میں اسلام کا معتدل تصور حیات پیش کرتے ہیں، حقوق پر ایک اچھا سلسلہ مولانا خالد فیصل ندوی نے شروع کیا ہے، جو تعمیر حیات کے شماروں کی زینت بن چکا ہے، نیا ہجری سال شروع ہوا، مدیر نے پچھلے سال کا احتساب کرنے اور نئے سال کو نئے عہد اور نئے عزائم سے گذارنے کی ترغیب دی ہے، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے "فضلاء ندوہ میں عقل وقلب کا امتزاج پڑ" بڑا جامع مضمون سپرد قلم کیا ہے، ماہ ربیع الاول کا استقبال بھی تعمیر حیات نے خوب کیا ہے، اداریہ اور کئی مضامین کے ساتھ مولانا عبدالرحمن نگرامی ندوی کا مضمون خوب نکلا جو نام "محمد صلی اللہ علیہ وسلم" پر ہے، اس کے اعجاز کو کھولتا ہے، اور صرف یہ نہیں بلکہ اس سے ختم نبوت کے عقیدہ کو بھی ثابت کرتا ہے، مارچ ۲۰۱۰ء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا انتخابی اجلاس لکھنؤ میں منعقد ہوا، اس مناسبت سے ادارہ تعمیر حیات نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا ایک مضمون خوب ڈھونڈھ نکالا، یہ مضمون "مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلم ممالک" کے عنوان سے ہے، ۱۹۶۳ء میں ندائے ملت جب لکھنؤ میں شائع ہوتا تھا یہ اس وقت کا ہے جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے مسئلہ پر ملک کے ملی قائدین وعلماء کی ایک میٹنگ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بلائی تھی، بورڈ کا لکھنؤ کا اجلاس بڑا کامیاب رہا، ندوہ کی میزبانی کی خوب داد دی گئی، اس سلسلہ کا ایک اہم مضمون معصوم مرادآبادی کا ہے، اور "ندوۃ العلماء اور خدمت دین و ملت" کے عنوان سے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی کا مضمون ہے اور مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کا موجودہ حالات اور تہذیب پر مضمون "خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد" ہے، ۲۵/اپریل کے شمارہ میں مولانا ریاض الرحمن رشادی کا مضمون بھی لکھنؤ میں بورڈ کے اجلاس اور ندوہ کی میزبانی کو زبردست خراج تحسین پیش کرتا ہے، ۱۰/مئی کے شمارہ میں ان کی شخصیت پر کئی مضامین ہیں، ۲۵/مئی کے شمارہ میں معروف اسلامی اسکالر ڈاکٹر اسرار احمد پر محمود حسن حسنی کا مضمون ہے، مئی، جون کے شماروں میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مضمون "اسلام میں آزادی ومساوات کا جامع تصور" شائع ہوا ہے، یہ خدا بخش لائبریری پٹنہ میں دیا گیا خطبہ ہے۔

۴۷ویں جلد اختتام کو پہونچ رہی تھی کہ ندوۃ العلماء کے معتمد مال اور تعمیر حیات کے سرپرستوں میں ایک پروفیسر وصی احمد صدیقی کی حیات مستعار بھی اختتام کو پہونچی، رمضان کا مہینہ گزار کر وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے، ۱۰/اکتوبر مطابق یکم ذی قعدہ کا شمارہ انہیں خراج عقیدت پیش کرتا ہے، جلد کے آخری شمارہ میں حجاج کرام کے لیے بھی رہنمائی کا بڑا سامان، اور بقرعید کا استقبال کرنے والوں کے لیے بھی بڑا مواد ہے۔

جلد (۴۸): ۱۰/نومبر ۲۰۱۰ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۱ء

اس جلد کے سرورق کا عنوان ہے: "حجۃ الوداع کی دعوتی، تبلیغی اور تربیتی اہمیت"، یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تحریر کا ایک اقتباس ہے، "قربانی کی اصل روح" کی حقیقت اپنے اداریہ میں مولانا شمس الحق ندوی نے بتائی ہے، "عید الاضحیٰ کا پیغام" حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے دیا ہے، حالات حاضرہ اور عالم اسلام کے مسائل کے تعلق سے "ندوۃ العلماء اور قضیہ فسلطین" معرکہ کا مضمون ہے، مشہور اردو نعت گو شاعر ڈاکٹر طفیل احمد مدنی نے رحلت فرمائی، ندوۃ العلماء میں تعزیتی نشست کی رپورٹ ہے، ۱۰/دسمبر کے شمارہ میں مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا مرغوب الرحمن کے سانحہ ارتحال پر تعزیتی رپورٹ ہے، تبصرۂ کتب میں دو اہم کتابوں کا تعارف ہے: "سراج القاری لحل صحیح البخاری" جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے درس بخاری کے علمی ودرسی افادات کا مجموعہ ہے، جسے ان کے خلیفہ مولانا عبدالرحیم متالا (زامبیا) نے ضبط تحریر کیا تھا، اور تخریج مولانا محمد سالم مرادآبادی نے کی ہے، یہ کئی جلدوں کا کام ہے، دوسرا علمی کام مولانا شبیر احمد قاسمی مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کا ہے، جنھوں نے بڑے انہماک کے ساتھ "فتاویٰ تاتارخانیہ" پر کام کیا ہے، بیس جلدوں میں یہ کام سامنے آیا ہے، "مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھیؒ کے کلام و ادب اور مقام" پر رابطہ ادب اسلامی نے الہ آباد میں سیمینار منعقد کیا، اس کی روداد جاوید اختر ندوی کے قلم سے ہے، ۲۵/دسمبر کا اداریہ "یورپ کا تصور آزادی" پر مدیر کے قلم سے ہے، ۲۵/جنوری کے شمارہ میں فہم قرآن پر علامہ سید سلیمان ندویؒ کا لاجواب مضمون ہے: "قرآن مجید میں مکرر آیتیں کیوں؟" فکر معاصر کے کالم میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی فرماتے ہیں: "اسلام دشمنی کے مقابلہ کے لیے علم اور مفاہمت کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت"، سید سحبان ثاقب ندوی حضرت ناظم ندوۃ العلماء کے سفر بنگلور کی روداد میں سلام سنٹر کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہتے ہیں: "قرآن کریم کی خدمت سب سے اعلیٰ خدمت ہے"، ربیع الاول کے شمارہ میں سیرت پاک سے متعلق مضامین اور بعض دوسرے مضامین ہیں، تعمیر حیات میں مولانا سید محمد ثانی حسنی کا کلام حمد ونعت ومناجات ومنقبت، ملی مسائل اور دوسرے موضوعات پر اس کے پہلے شمارہ سے لے کر آج تک شائع ہوتا رہا ہے، اس کی جلدوں کی تلاش کے بعد مجموعہ کلام مرتب کر دیا گیا، مولانا عبداللہ عباس ندوی نے مقدمہ لکھا اور "میزاب رحمت" نام رکھا، اس پر مدیر مسئول کا زوردار تبصرہ ہے، جنوبی کوریا میں دعوت اسلامی کے کام کا تعارف وہاں کے داعی اکبر شیخ عبدالوہاب زاہد علی ندوی نے کرایا ہے، جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے خلفاء میں ہیں، جاوید اختر ندوی کا مضمون ۱۰/مارچ ۲۰۱۱ء میں تیونس میں انقلاب کو اسلام اور مسلمانوں کے تناظر میں پیش کرتا ہے۔

ادھر تعمیر حیات نے مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کے اصلاحی مضامین وخطبات کو پیش کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، اس کی بڑی پذیرائی ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مولانا کے زبان میں غیر معمولی تاثیر پیدا

فرمادی ہے، مدیر کے میز سے "مسرفانہ تقریبات" پر سخت نوٹس لیا گیا ہے، مولانا عبدالماجد دریابادی اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں: "اصلاح نفس کے لیے عالم ربانی کی ضرورت" ہے، شخصیات پر مضامین میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کا مضمون ہے، انہوں نے اپنے استاد مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی پر بہت خوب لکھا ہے، مولانا عبداللہ حسنی ندوی نے ایک بڑے نکتہ کی بات کہی ہے کہ: "علم اگر مال کے تابع ہے تو جہالت ہے"، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے دوروں، سفروں میں سفر آسام وسیگھالیہ اپنی نوعیت کا منفرد سفر تھا، اس کی روداد بھی ۲۵/اپریل کے شمارہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، ۲۵/جون کے شمارہ میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے موجودہ سماج کی خرابیوں کا صحابہ کرامؓ کی امتیازی خصوصیات کا ذکر کے ازالہ کرنا چاہا ہے، اچھا مضمون ہے اور قسط وار ہے: "اہل بیت اطہار کے حقوق و فضائل" پر مولانا خالد فیصل ندوی کا مضمون ہے، مولانا فیصل احمد ندوی بھٹکلی نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی ندوہ کی مجالس پر ضخیم کتاب تصنیف کی، اس کا تمہیدی مضمون ان کے قلم سے "صحبت صالح اور مجالس خیر" کے عنوان سے ہے، جو ۱۰/اور ۲۵/اگست کے مشترکہ شمارہ کی زینت ہے، نیا تعلیمی سال مدارس کا شروع ہوا، اس میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے "طلباء مدارس کے سرپرستوں سے گفتگو" کی ہے، اگلے شمارہ میں بھی اس کا امتداد ہے، باقی مضامین ومقالات اپنی جگہ ہیں، حج کا زمانہ آگیا، ادارہ تعمیر حیات کو امام غزالی یاد آئے، انہوں نے سفر حج کو سفر آخرت کے پس منظر میں دکھایا ہے، آخری شمارہ میں حج وقربانی، عشرۂ ذی الحجہ کی اہمیت وفضیلت اور اس کے تقاضوں پر مضامین ہیں گویا یہ حج نمبر ہے۔

جلد (۴۹): ۱۰/نومبر ۲۰۱۱ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۲ء

اکبرالہ آبادی کی شاعری پر رابطہ ادب اسلامی نے غازی پور میں سیمینار منعقد کیا، اس کا خطبہ صدارت جلد کے پہلے شمارہ میں اور رپورٹ دوسرے شمارہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے، بنگلور کی اہم شخصیت مولانا ریاض الرحمٰن رشادی نہ رہے، ان پر مضمون حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا ۱۰/دسمبر کے شمارہ میں ہے "مفید علمی سافٹ ویرز" کا تعارف عبدالعظیم معلم ندوی نے کرایا ہے، اگلے شمارہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے "عصری مسائل کا حل" بتایا ہے، اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے ۱۰/جنوری کے شمارہ میں "مسلمانوں کے مسائل ومشکلات کا حقیقی سبب" واضح کیا ہے، کاروان رفتگاں میں خانوادۂ حسنی کے جناب سید محمد مسلم حسنی اور مدیر "تعمیر افکار" مولانا سید احمد علی حسنی ندوی کا تذکرۂ حال ہے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے بڑے پتہ کی بات لکھی ہے کہ وہی ان کے مضمون کا عنوان ہے کہ: "ایمان کی حلاوت ناقابل تسخیر طاقت" ہے، ۲۵/فروری ۲۰۱۲ء کے شمارہ نے بڑے صدمہ کی خبر سنائی کی عارف باللہ حضرت مولانا قاری امیر حسن مظاہری نے داعی اجل کو لبیک کہا، ان کی شخصیت پر مضمون حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء، کا ہے۔

ملک شام میں جو تباہی لائی گئی ہے اور مسلمانوں کو آپس میں بھڑا کر جو کشت وخون کیا گیا ہے، اس میں حکومت شام صیہونی ایجنڈہ کے مطابق کام کررہی ہے، مولانا نذرالحفیظ ندوی نے تاریخی وتجزیاتی مقالہ میں اس پر پوری روشنی ڈالی ہے، جو قسط وار مارچ اور اپریل کے شماروں میں شائع ہوا ہے، دل کی آنکھیں اور دماغ کے قفل کھولنے کے یہ مضمون کافی ہے، ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی پہلے محرم یا صفر کے مہینہ میں ہوتی تھی مگر بعض مجبوریوں کی وجہ سے مارچ میں ہونے لگی، اس لیے اپریل کے شمارہ میں اس کی تفصیلات سے آگاہ کیا جاتا ہے، رپورٹ ناظم ندوۃ العلماء ۲۵/اپریل کے شمارہ میں ہے، مئی کا پہلا ہفتہ ندوہ میں بڑی ہمہ ہمی اور مشغولیت کا رہا، اس کی دعوت پر امام حرم مکی شیخ خالد بن علی الغامدی تشریف لائے، ندوہ میں پروگراموں کے ساتھ شہر میں اور آس پاس بھی پروگرام رہے، ندوۃ العلماء میں جمعہ کی نماز اور ایک دن مغرب وعشاء کی نماز پڑھائی، جمعہ میں اس قدر مجمع ہوا کہ ہر طرف آدمی ہی آدمی تھے، ندوہ کے سارے میدان، سڑکیں اور ہاسٹل اور باہر کی سڑک اور دور دور تک لوگ ہی لوگ تھے، شہر کے دوسرے مقامات اور جامعہ سید احمد شہید کٹولی میں ایک روز مغرب وعشاء کی نماز پڑھائی، اور خوب نمازیں پڑھائیں، جہاں وہ جاتے لوگ ٹوٹ پڑتے، حکومت اتر پردیش نے بڑا اکرام کیا، ایک عشائیہ بھی دیا اور سیکورٹی کا زبردست اہتمام کیا، وہ سیکورٹی جو وزیر اعلیٰ کو دی جاتی ہے، ان کی آمد سے لکھنؤ پرنور ہوگیا تھا، جہاں جاتے ایمان کی بہار ساتھ لے کر جاتے، ۱۰/مئی کا شمارہ یہ ساری تفصیلات پیش کرتا ہے، اپریل کے مہینہ میں امام مسجد اقصیٰ شیخ عکرمہ صبری بھی ندوہ تشریف لائے تھے، مغرب کی نماز پڑھائی، خطاب کیا، کانپور گئے اور وہاں بڑے مجمع کو نماز جمعہ کی نماز پڑھائی، ڈاکٹر محمود رحمانی رکن مجلس انتظامی ندوۃ العلماء ان کے میزبان تھے، کسی امام حرم کی یہ ندوہ پانچویں آمد تھی، اس مناسبت سے ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی کا شکرانہ کلام بعنوان "عظیم اپنا ندوہ، عظیم اس کی دعوت" بھی شعر وادب کے کالم میں اداریہ سے پہلے شائع ہوا ہے، جون میں حضرت ناظم ندوۃ العلماء رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر مکہ مکرمہ کے لیے عازم سفر ہوئے، اسی دوران ندوہ نے اپنے ایک فرزند کو کھویا وہ جواں مرگ مولانا سعید مرتضیٰ ندوی ہیں، ۲۵/جون کے شمارہ میں جاوید اختر ندوی نے ان کا خوب سراپا کھینچا ہے، اور ان کی خدمات کا اچھا جائزہ پیش کیا ہے، لیکن تعمیر حیات کے لیے اس سے کم صدمہ کی بات نہ تھی کہ اس کے سابق رئیس التحریر مولانا امین الدین شجاع الدین ۷/جون ۲۰۱۲ء کو لکھنؤ میں انتقال کر گئے، تعمیر حیات کے لیے ان کی خدمات ناقابل فراموش

ہیں، اور وہ اس کے حوالہ سے برابر یاد رکھے جائیں گے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں وہ انگریزی اور عصری علوم کے استاد بھی تھے، ۱۰/جون کے شمارہ میں ان کا اچھا تعارف پیش کردیا گیا ہے، جولائی واگست کے شماروں میں امام حرم شیخ خالد غامدی کے ندوہ میں دیے گئے خطبات کا ترجمہ محمد فرمان ندوی کے قلم سے ہے، حضرت ناظم ندوۃ العلماء کے سفر حرمین شریفین کی تفصیلات ایک سفرنامہ کے طور پر ستمبر واکتوبر کے شماروں میں پیش کی گئی ہیں، اس طرح اس جلد کو حرمین فائل کا بھی نام دیا جاسکتا ہے۔

جلد (۵۰): ۱۰/نومبر ۲۰۱۲ء تا ۲۵/اکتوبر ۲۰۱۳ء

(اشاعت کی نصف صدی مکمل)

سخت اور ناسازگار حالات میں انسانی زندگی کی صحیح تشکیل وتعمیر میں رہبرانہ ومعلمانہ کردار ادا کرنے کے لیے ندوۃ العلماء کے شعبہ تعمیر وترقی سے اپنے چند بزرگوں کی سرپرستی اور دعا کے ساتھ مولانا سید محمد الحسنیؒ (وفات جون ۱۹۷۹ء) کی ادارت میں ۱۰/نومبر ۱۹۶۳ء سے نکلنا شروع ہوا، اور تادم تحریر بلا کسی انقطاع کے پورے تسلسل کے ساتھ وہ اذان دیتا رہا ع

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

تعمیر حیات پر از اول تا حاضر یہی پیغام اذان چھایا رہا، اور اس ذمہ داری کو اس نے جس طرح نبھایا کم از کم دینی پرچوں کی تاریخ میں اس کی نظیر نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے، کتنی بار ایسا ہوا کہ حالات سازگار بالکل نہ تھے، ہوا کا رخ مخالف تھا، مگر اسی میں اس نے اپنا راستہ بنایا اور منزلیں طے کیں، یہاں تک کہ پچاسویں منزل طے کرکے اب وہ اس سے آگے کی منزل دیکھ رہا ہے، پختہ انسان وہ ہے جو ایک منزل پر پہونچ کر اسی کو آخری منزل نہ سمجھ لے، بہتر سے بہتر، اچھے سے اچھے کی تلاش میں رہے اور سفر جاری رکھے۔

تعمیر حیات اپنے ان مدیروں کی سلام کرتا ہے، جو اس کا سفر آگے بڑھا کر اپنی دکان بھی بڑھا گئے، اور اب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہیں اور اپنی خدمات کا صلہ پارہے ہیں، یہ ہیں ہماری عظمت رفتہ کے نشان، مولانا سید محمد الحسنیؒ، مولانا اسحاق جلیس ندوی، مولانا امین الدین شجاع الدین، انہی کے ساتھ مولانا عبدالنور (نور عظیم) ندوی اور مولانا محمود الازہار ندوی رحمہم اللہ عنہم اجمعین جو کہ مختلف موقعوں پر شریک ادارت رہے، اور ان کا اچھا قلمی تعاون ادارہ کو حاصل ہوا، اللہ تعالیٰ قائم ودائم رکھے سایہ عاطفت مولانا شمس الحق ندوی کا جن کی ادارت میں ندوہ کا یہ اصلاحی، دعوتی اور فکری ترجمان منزل بہ منزل ہے، اور مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری نے ہر موقع پر اس کو پروان چڑھانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اس رسالہ کو روز اول سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی سرپرستی حاصل رہی اور ان کے بعد ان کے جانشیں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی پوری سرپرستی حاصل ہے، اور اس کی نگرانی مولانا معین اللہ ندوی، مولانا ابوالعرفان خان ندوی، مولانا عبداللہ عباس ندوی نے کی اور اس کے وزن کو بڑھایا، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اس کے ابتدائی زمانہ میں شریک ادارت رہے، آج بھی ان کی رہنمائی ادارہ کو حاصل ہے، اور بڑی ناسپاسی ہوگی کہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا ذکر نہ کیا جائے، انہوں نے اپنے صحافتی تجربات اور بالغ نظری سے رسالہ تعمیر حیات کے مدیروں کو برابر بڑے مفید مشوروں سے نوازا، پروفیسر احمد صدیقی سابق معتمد مال ندوۃ العلماء اور مفتی محمد ظہور ندوی نائب ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی بھی ادارے کو حاصل ہوئی، اس سے اس کی ادبی اور علمی ودینی وقعت میں اضافہ ہوا، اور ادھر مولانا عبداللہ عباس ندوی کے انتقال کے بعد سے ندوۃ العلماء کے ناظر عام مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی ادارہ تعمیر حیات کے لیے ایک نگراں شخصیت کے طور پر ہیں، اور ادارہ ان کی رہنمائی کا بڑا شکرگزار ہے، ادارہ کا ایک مشاورتی بورڈ بھی ہے، اس میں اس کی ابتدائی کمیٹی کا ذکر پہلے آچکا ہے، آخر میں جو کمیٹی تھی اس میں مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی، مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری کے نام تھے اور بعد میں مولانا نعیم الرحمٰن صدیقی ندوی کا نام بھی شامل ہوا، لیکن ادارہ کو اپنے اس پچاسویں سال میں اپنے ایک رکن مشاورت کے داغ مفارقت کا صدمہ اٹھانا پڑا، ۳۰/جنوری کو مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی نے بھی وفات پائی، تعلیمی ودعوتی حلقوں کے لیے یہ بڑا سانحہ تھا، جس کو سب نے محسوس کیا، تعمیر حیات نے ایک خصوصی شمارہ ان کی نذر کیا، اور بعض دوسرے شماروں میں ان پر مضامین دیے، وہ تعمیر حیات کے بانی مدیر مولانا سید محمد الحسنیؒ کے فرزند ارجمند تھے، تعمیر حیات اپنی نصف صدی ۱۲۰۰ ویں شمارہ پر پوری کررہا ہے، جو مشترکہ شمارہ ہے، اکتوبر کے دو شماروں کا اور یہی خصوصی اشاعت ہے، جو اس کے عہد زریں کو داد تحسین پیش کرتی ہے۔

اس مناسبت سے اور موجودہ حالات کی مناسبت سے جن سے ہم اور آپ دوچار ہیں، ہر طرف ظلم وسفاکی، بربریت، منافرت، خودغرضی، مادہ پرستی کا دور دورہ ہے، انسانیت سسک رہی ہے، تعمیر حیات کی جلدوں سے وہ فکر انگیز اور رہنما مضامین پیش کیے جارہے ہیں جو آج بھی تازہ ہیں اور حالات حاضرہ کے مطابق پیغام دے رہے ہیں، یہ ہمارے ان بزرگوں کے نقوش تابندہ ہیں جو تعمیر حیات کے اپنے اپنے عہد کے معمار یا سرپرست اور نگراں رہے، یا آج سالار قافلہ ہیں، نوع بہ نوع موضوعات پر یہ مضامین ہماری نصف صدی کی تاریخ کی یاد تازہ کرتے ہیں، ہمیں نیا حوصلہ دیتے اور ہمارے دلوں میں نئی امنگیں پیدا کرتے ہیں۔

فللہ الحمد ولہ المنۃ ومنہ التوفیق وعلینا البلاغ۔

☆☆☆☆☆

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845
Shop: 9415002532
2613736
3958875

سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام

حاجی صفی اللہ جویلرس

ہمارا نیا شوروم

پروپرائٹر: محمد اسلم

گڑبڑجھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ

HAJI SAFIULLAH JEWELLERS

Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18
E-mail: hajisafiullahjeweller@gmail.com

پروپرائٹر: ولی اللہ

ولی اللہ جویلرس

WALIULLAH
Jewellers

ALL KINDS OF GOLD, SILVER
& DIAMOND JEWELLERY

Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

MAQBOOL JEWELLERS

مقبول جویلرس

جوتے والی گلی امین آباد

Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Mob.: 9956069081-9919089014
Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں

ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

Phone: 0522-3058047

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز

اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ

Shirt, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties

شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں قابل بھروسہ برانڈ

menmark®
Men's Exclusive
MFG, Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara
FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TEGORE MARG,
LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)
Phone : 0522-2741231

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)
فون نمبر: ۰۵۲۲-۲۷۴۱۲۳۱

Date 08/9/2013

تاریخ یکم ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

اپیل

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی و دینی خدمت میں مصروف ہے، اور طالبان علوم نبوت جوق در جوق آ آ کر اس سرچشمۂ علم سے فیضیاب ہو رہے ہیں، طلباء کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم کی مسجد میں مزید نمازیوں کے لیے گنجائش نہیں رہ گئی ہے، بارش یا دھوپ میں طلباء کو بہت تکلیف ہوتی ہے، اس صورت حال کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر مسجد کی مزید توسیع کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

مسجد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے وسیع صحن کے نیچے مکمل بیسمنٹ اور اوپر چھت ڈال کر اس کے اوپر ایک منزل تعمیر کرنے کا منصوبہ ہے، جس پر مبلغ/-1,25,50,000 (ایک کروڑ پچیس لاکھ پچاس ہزار) روپے خرچ کا تخمینہ ہے، جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے اور مسجدوں کی تعمیر میں اللہ نے جو اجر و ثواب رکھا ہے اس کے مستحق بن سکیں گے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

"جو کوئی اللہ کے لیے مسجد تعمیر کرائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں گھر تعمیر کرائے گا"۔

(مولانا مفتی) محمد ظہور ندوی	(مولانا) محمد واضح رشید ندوی	(پروفیسر) اطہر حسین	(مولانا) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) محمد حمزہ حسنی ندوی
نائب ناظم	معتمد تعلیم	معتمد مال	مہتمم دارالعلوم	ناظر عام
ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء	ندوۃ العلماء

چک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:
NADWATUL ULAMA
A/C NO. 10863759733
(State Bank of India Main Branch, Lucknow.)

اس پتہ پر ارسال کریں:
NAZIM NADWATUL ULAMA,
P.O. BOX NO. 93, TAGORE MARG,
LUCKNOW - 226007 (U.P.)

Phone : (0522) 2741231, 2741316, 2740151, Fax : 2741221
E-mail address:nadwa@sancharnet.in/ website: www.nadwatululama.org.

Vol. No. 50 Issue No.23-24

Fortnightly
TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in

10,25 October 2013

Booking Open

SAITECH GRACE

An Ideal House You Truly Deserve

2 BHK / 3 BHK & 4BHK
Premium Flats Available
at Affordable Prices

FACILITIES /AMENITIES

24X7 security system, Intercom / EPABX system from Entrance Gate, Power Backup through Generator, Internet connectivity, Pressurized water supply system, High quality single lever bathroom fittings, Open and covered car parking, Children play ground, Jogging / walking track, Gymnasium provision, Automatic high speed lifts, Fire Fighting System, Ample open and covered (stilt and basement) car parking space, Visitor's Parking.

BUILDERS & DEVELOPERS
SAITECH INFRASTRUCTURE PVT. LTD.
MAS COLONISERS (INDIA) PVT. LTD.

Corporate Office
06-F.F., Natraj Complex, 11 B.N. Road, Lalbagh,
Lucknow - 226001
Tele Fax : +91-522-4077160
Mob.: 9838456123, 9450200000,
9450931440, 9415022240
Website : www.saitechbuilders.com
E-mail : saitechinfra@gmail.com

Site Office 485/8, Mohan Meakin Road,Daliganj, Lucknow.

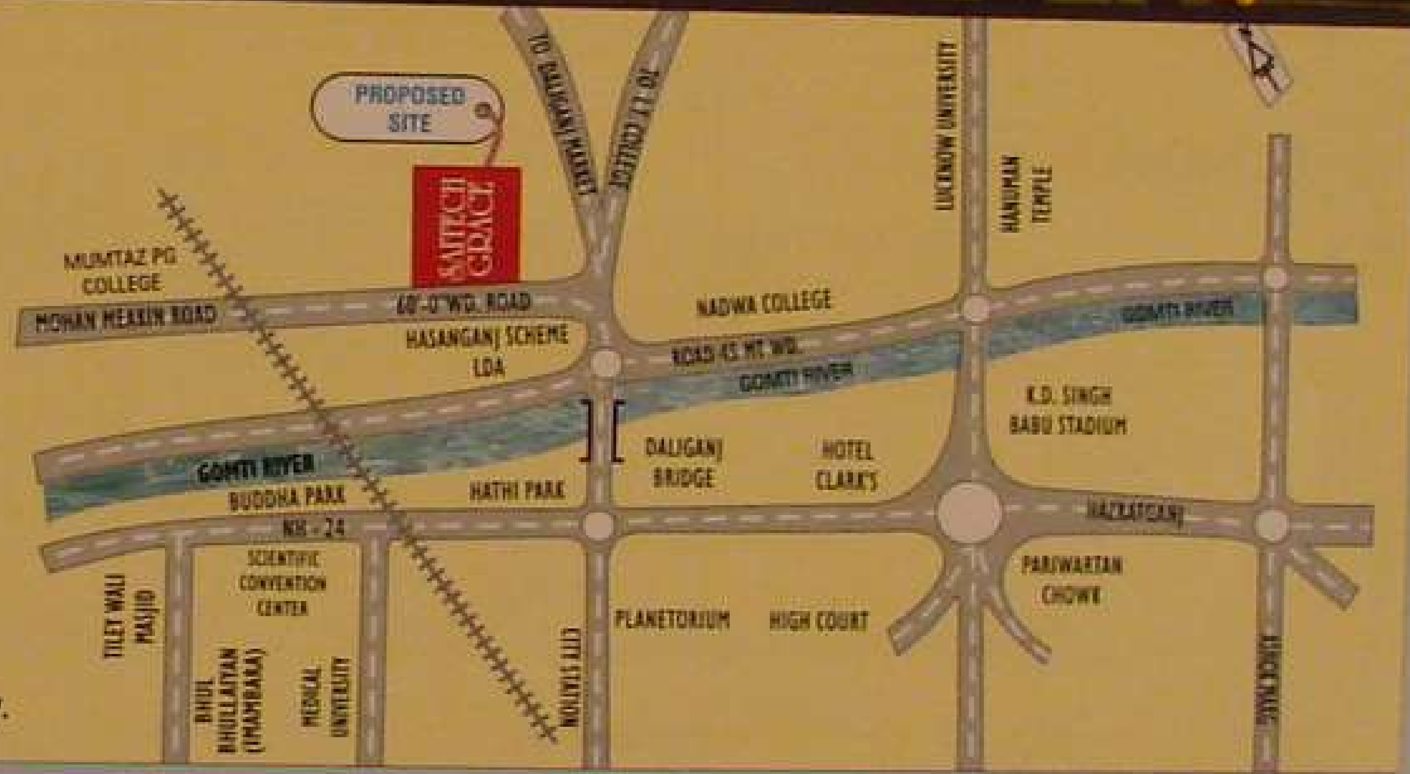

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ

روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

خوشبودار عطریات

———— : کی ایک قابل اعتماد دوکان : ————
ایک مرتبہ تشریف لا کر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ

IZHARSON PERFUMERS اظہارسن پرفیومرس

H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel : 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell:91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

اکبری گیٹ، چوک لکھنو
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

Designed By : Future Graphix, Lko. Mobile : 7860632916

Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085